قال اللہ تعالیٰ

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

حق الیقین

فی معنیٔ

خاتم النبیین

تالیف منیف مولانا مولوی حکیم عبید اللہ صاحب بسمل احمدی

باہتمام احقر الناس
مظہر اللہ
وزیر ہند پریس امرتسر میں باہتمام بھائی بہادر سنگھ منیجر و پرنٹر چھپی

Table of Contents

نذر

یہ خاکسار نہایت ادب و احترام کے ساتھ

اعلیٰ حضرت

اِمیرُ المؤمِنین اِمامُ المسلِمین خلیفۃ المسیح سیّدنا فضل عُمر ایّدہُ اللہ بنصرہٖ

کے حضور میں

اس حقیر ہدیہ کو

بغرض قبولیت پیش کرتا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

احقر الخدم

عبید اللہ بسملؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین علی السراء والضراء ونشکرہ علی الشدۃ والرخاء وندفع بہ بوائق الزمان وطوارق الحدثان ونعوذ بہ من الاٰراء المختلفۃ والاھواء المتعادیۃ ونسالہ ان یجعل الحق دثارنا والصدق شعارنا والصلوٰۃ علیٰ محمد سید المرسلین وخاتم النبیین الذی لا سبیل الیٰ فیوض اللہ من غیر توسطہ وعلی اٰلہ واصحابہ والسلام علی المسیح الموعود المھدی المسعود الذی سماہ الرب جری اللہ والرسول نبی اللہ وعلیٰ اھل بیتہ الکرام وخلفائہ العظام **امابعد** فی زماننا اس عالی پایہ اولوالعزم مرسل من اللہ انسان مسیح موعودؑ کی بعثت اور منصب کی نسبت جس کی خبر احادیث صحیحہ میں طرق متعددہ کے ساتھ وارد ہے لوگوں میں متضاد اعتقاد پائے جاتے ہیں:۔

پہلے گروہ کا اعتقاد دربارہ مسیح موعودؑ ایک خلیج الغدار گروہ جس کی نگاہ میں احادیث کی وقعت گو وہ نقادان فن سیرو تاریخ اسلام کے نزدیک اصح الکتب ہی کی

حدیثیں کیوں نہ ہوں سر ولیم میور کی تاریخ سے بتادیں صحیح تین بٹا چار (¾) ۹۹ درجہ کم ہو خیال کہنا ہو۔ کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے آخری نبی تھے سو تشریف لا چکے اب خدا تعالےٰ نے نبوت کا دروازہ
بند کر دیا ہے ؛

اب مسلمان سنتِ نبویہ کو چھوڑ کر خواہ کیسی ہی بدعات سیئہ کو اپنا شعار بنا لیں اور کتاب اللہ کو
نبذ وراء ظہورہم (اپنے پس پشت پھینک ۔ اگر خواہ کیسا ہی شرک فی الاعتقاد والعمل
اپنا وتار کر لیں لیکن ان کو محض معاشرتی اور تمدنی امور کے لئے وقتاً فوقتاً دنیاوی مصلح
کی تو ضرورت ہے مگر معادی اور مذہبی امور کی اصلاح کے واسطے کسی دینی مُصلح کی ہرگز ضرورت نہیں
وہ خود مذاہب مختلفہ سے میل جول کر کے تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں ۔ اور اگرچہ یہ امر مسلّم ہے کہ کرہ
ارض پر اسوقت صلیبی مذہب کا غلبہ ہو گیا ہے اور بقیہ دنیائے اسلام پر ہوتا چلا جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ
اصلاح امت اسلام کے لئے نہ کبھی مسیح کو آسمان سے نازل کریگا اور نہ زمین پر بطن مادر سے پیدا
کریگا ۔ کیونکہ آنحضرت خاتم النبیین ہیں ۔ اب آپکی امت بگڑے یا نہ بگڑے کوئی اس کو منجانب اللہ
متنبہ کرنے والا نہیں آسکتا ۔

مسیح موعود کی آمد احادیث سے ثابت ہے اور احادیث کی تدوین زمانہ دراز کے بعد ہوئی
ہے ہم یہ تو کسی طرح سے نہیں مان سکتے کہ مسیح آسمان پر اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہے اور وہی
نازل ہوگا لیکن اسکے ساتھ اسکے بھی قائل نہیں کہ مسیح موعود بطن مادر سے تولد ہوگا ۔ کسی راوی
نے آمد مسیح کی حدیث وضع کر لی ہے محدثین نے حسنِ اعتقاد سے اسکو اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے
بیشک تورات اور انجیل اور تفاسیر مشہورہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء
تشریعی اور بعض غیر تشریعی ہوتے رہے ہیں لیکن جب کوئی مسیح موعود ہونے والا ہی نہیں تو اسکی
نسبت نبی تشریعی یا اُمتی ہونے کا سوال ہی عبث ہے ؛

دوسرے گروہ کا اعتقاد دربارہ مسیح موعود

دوسرا گروہ علمائے ظواہر کا ہے جنکا مذہب ۔ احادیث
کو قرآن کریم پر حَکَم بنانا اور احادیث کے لئے قرآنی
کی تاویل کرنا امر مستحسن ہے ان بزرگواروں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم رسول بنی اسرائیل
بجسدہ العنصری ابتک آسمان پر زندہ ہیں قیامت کے نزدیک اصلاح امت اسلام کے لئے

دوبارہ نازل ہونگے اور وہی مسیح موعود ہیں۔ وہ اپنی پہلی بعثت میں تشریعی نبی تھے اب اپنی دوسری بعثت میں غیر تشریعی نبی ہونگے کیونکہ شریعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کامل ہو چکی ہے اسلئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہونگے۔ چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے نبی ہیں اسلئے ان کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔

گو قرآن کریم میں ان کے دوبارہ آنے کی نسبت کوئی اشارۃ النص بھی نہیں ہے۔ اور گو سنت اللہ کسی نبی کے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی نہیں ہے مگر وہ دنیا میں ضرور آئینگے۔ جبکہ ان کو احادیث صحیحہ میں نبی اللہ کہا گیا ہے وہ ضرور غیر تشریعی نبی ہونگے چنانچہ زرقانی لکھتا ہے ان عیسٰی ینزل مع بقائہ علی نبوتہ جلد ۵ صفحہ ۳۴۱ (حضرت عیسیٰ اپنی نبوت پر باقی رہنے کے ساتھ نزول فرمائینگے)

تیسرے گروہ کا اعتقاد تیسرا گروہ اگرچہ دوسرے گروہ کا ہم نوا ہے۔ لیکن اس بات میں متفق نہیں۔ کہ حضرت مسیح اب اپنی دوسری آمد میں منصب نبوت پر آئینگے گو منافی عدل الٰہی ہو مگر وہ بلا جرم وخطا عہدۂ جلیلۂ نبوت سے معزول ہو کر اور ترقی معکوس پا کر ایک اُمتی کی حیثیت میں اصلاح امت محمدیہ کرینگے کیونکہ اب وحی نبوت منقطع ہو چکی ہے نہ تشریعی نبی آسکتا ہے نہ غیر تشریعی نبی۔ حضرت مسیح اپنی پہلی بعثت میں نبی تھے اب دوسری بعثت میں محض امتی ہونگے چنانچہ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتا ہے۔ ینزل حکما ای حاکما بھذہ الشریعۃ لا نبیا لفظ حکم صفحہ ۲۸۹۔ (حضرت مسیح شریعت محمدیہ پر حکمرانی کرینگے نبی نہیں ہونگے۔

ہم مبایعین سیدنا محمود کا اعتقاد قرآن کریم کے نص صریح قطعی الدلالۃ ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (محمد اللہ کا رسول ہے جس سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں) سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس دار ناپائدار سے رحلت فرما چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مستثنےٰ نہیں۔ منجملہ ان کے سیدنا مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھی باریتعالیٰ عز اسمہ نے واقعہ صلیب سے ایک مدت کے بعد جیسا کہ آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (جب تو نے مجھ کو موت دی تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا) سے

ثابت کی طبعی وفات دی ہے ؛

قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ ہیں اور وہی دوبارہ دنیا میں آئینگے بلکہ قرآن کریم کا تو قطعی فیصلہ ہے فیمسك التی قضیٰ علیه الموت (پس رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا)

پس احادیث صحیحہ میں جس مسیح کی آمد کا ذکر ہے وہ ایک دوسرا مسیح ہے جیساکہ بخاری ومسلم کی احادیث سے ظاہر ہے خود نبی کریم روحنا فداہ نے دونوں کے الگ الگ حلیے بیان فرمائے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مسیح موعود کی بعثت کا وقت عین غلبہ صلیب کا وقت بتایا ہے اور اس مسیح کو بھی مسیح اسرائیلی کی طرح نبی اللہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین یعنے خاتم کمالات نبوت اور آخری تشریعی نبی تھے اور بلاشبہ حضور کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو حضور کی شریعت کا تابع نہ ہو کیونکہ شریعت آنحضرت کی ذات سے کامل ہوچکی ہے الیوم اکملت لکم دینکم پ ۶ ع (آج دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا ہے) جس طرح آپ خاتم النبیین تھے اسی طرح سے آپ رحمۃ للعلمین پ ۱۷ ع بھی تھے حضور نے بوجہ خاتم النبیین یعنے آخری تشریعی نبی ہونے کے بیشک تشریعی انبیاء کی آمد کا دروازہ بند کردیا ہے اور بوجہ رحمۃ للعلمین ہونے کے نبوۃ غیر تشریعی کا دروازہ اپنی امت کے لئے کھولدیا ہے۔

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع انبیاء غیر تشریعی ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع نبی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے انبیاء جو حضرت موسیٰ کے بعد آتے رہے ہیں وہ سب بلاواسطہ جناب الہٰی سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے فیض نبوت درگاہ رب العزت سے حاصل کیا ہے اسلئے حضرت مسیح موعود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ہیں اور آپ کی شریعت کے تابع غیر تشریعی نبی بھی ہیں۔

ہمیشہ سنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ جب کسی تشریعی نبی کے انتقال کے بعد امت کا دینی جوش سرد ہوجاتا رہا ہے اور وہ شرک اور بدعات میں مبتلا ہوکر مرتکب فسق وفجور ہوتے رہے ہیں

توحضرت حکیم علی الاطلاق عمت نعماءہ اس کی اصلاح حالت کے لئے اپنی رحمت کاملہ سے وقتاً وقتاً غیر تشریعی نبی تجدید مراسم شریعت اور احیاء نوامیس ملت کے لئے بھیجتا رہا ہے پس اسی سنت قویم کے مطابق ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلاً (تو اللہ کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پائیگا) اللہ تبارک تعالےٰ نے احیاء سنت نبویہ اور اقامت امور شرعیہ کے واسطے ایسے زمانہ میں کہ اسلام کی نسبت سے اسلام کا گرکر نہ ابھرنا دیکھیے زبان زد شعراء ہو رہا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا۔

آنحضرت روحنا فداہ کی امت مرحومہ میں ایک غیر تشریعی نبی کے برپا ہونے سے ہرگز آنحضرت کی شان میں فرق نہیں آتا۔ اللہ اللہ اس مکی مدنی فداہ ابی و امی کی کس قدر شان ارفع و اعلیٰ ہے۔ کہ جس کا امتی مسیح موعود ہے جیسا پہلا مسیح غیر تشریعی نبی خلفاء موسویہ میں سے تھا ویسا ہی مسیح موعود بھی غیر تشریعی نبی خلفائے محمدیہ میں سے ہے ::

لاہوریہ گروہ کا اعتقاد دربارہ مسیح موعودؑ

ان چار مسلکوں کے سوا ان دنوں ایک شرذمہ قلیلہ لاہوریہ نے حروریہ[1] کی طرح خلیفہ وقت سے علیحدہ ہو کر بین المطیع وبین المدبر العاصی (اطاعت کرنے والے اور منہ پھیرنے والے کے درمیان) اوران ہر چہار اعتقادات کی کتر بیونت کرکے ایک جدید مسلک نکالا ہے کہ بیشک حضرت مسیح ناصری

[1] حروریہ خوارج کے نام سے مشہور ہیں۔ حروریہ نے خلیفہ خاندان نبوت سیدنا علی رضؓ سے سرتابی کرکے عبداللہ ابن وہب الراسبی کو امیر الجیش کا خطاب دیکر اپنا لیڈر مقرر کرلیا تھا۔
لاہوریہ نے بھی خلیفہ خاندان نبوت سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ سے سرتابی کرکے ایک صاحب کو امیر القوم کا خطاب دیکر اپنا لیڈر مقرر کرلیا ہے۔
حروریہ نے دار الخلافہ کوفہ کو چھوڑ کر حروراء کو اپنا صدر مقام قرار دے لیا تھا
لاہوریہ نے دار الامان کو چھوڑ کر لاہور کو اپنا صدر مقام قرار دے لیا ہے۔
ابوموسیٰ اشعری نے پیرانہ سالی میں خلیفہ وقت کی نسبت تحکیم سے تقریری اعلان عزل شائع کیا تھا۔ مگر نہ حروریہ کی منشاء کے مطابق دیکھو کتب سیر عزل علی یوم صفین (علی صفین کے روز معزول کیا گیا)
ایک صاحب نے بھی پیرانہ سالی میں خلیفہ وقت کی نسبت محض تحکم سے تحریراً اعلان

فوت ہو چکے ہیں اور وہ دنیا میں دوبارہ تشریف نہیں لائینگے اور جس مسیح کے متعلق احادیث میں پیشگوئی ہے وہ دوسرا موعود ہے لیکن اول الذکر مسیح صاحب شریعت نبی تھا اور یہ آخر الذکر مسیح موعود نبی نہیں ہے بلکہ ایک محض امتی ہے کیونکہ آنحضرت بوجہ آخری نبی ہونے کے اپنی امت کے لئے باب رسالت مسدود فرما گئے ہیں :۔

جن احادیث میں مسیح موعود کو نبی اللہ کہا گیا ہے منجملہ ان کے جو صحیح ہیں وہ قابل تاویل ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ قابل احتجاج نہیں کیونکہ کوئی نبی اللہ بغیر کتاب اور شریعت کے نہیں ہوتا رہا اور ہر نبی اپنی ہی شریعت پر عمل کرنے کا مکلف ہوتا چلا آیا ہے اور کسی سابقہ شریعت پر عمل نہیں کرتا رہا چونکہ مسیح موعود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی شریعت کے تابع ہیں اسلئے نبی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں بیشک مسیح ناصری صاحب شریعت جدیدہ اور مالک کتاب نبی تھے مسیح موعود نہ مالک کتاب اور نہ صاحب شریعت ہیں۔ غیر تشریعی نبی کوئی نہیں ہوا اسلئے مسیح موعود غیر تشریعی نبی بھی نہیں ہیں بلکہ محض امتی ہیں۔ دیگر افراد امت سے مسیح موعود کو کوئی خصوصیت نہیں کہ ان کو منصب نبوت حاصل ہو سکے۔ ان کے نزدیک حضور علیہ السلام کی نبوت کی وقعت لیس فی جبتہ غیر الزندین سے زیادہ نہیں لہٰذا حضرت مسیح موعود کی آمد اور منصب جلیلہ کے متعلق ان مسالک خمسہ کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور تاریخ صحیح متفقہ اہل اسلام کی روشنی میں لانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کونسا مسلک منہج قویم اور صراط مستقیم کے مطابق ہے :۔

مسلک اوّل کی خرابی

مسلک اول کی نسبت عرض ہے۔ فرض کرو آنحضرت نے غلبہ صلیب کے زمانہ کے متعلق نہ خبر دی ہے اور نہ مسیح موعود کی نسبت پیشگوئی کی ہے بلکہ ایک مفتری علی الرسول نے من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ فی النار (جو دانستہ مجھ پر جھوٹ بولتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بناتا ہے) کی وعید شدید کی مطلق پرواہ کرکے اس فقرے

شائع کیا ہے مگر لاہوریہ کے منشا کے مطابق (دیکھو ضروری اعلان مطبوعہ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء) فرق اتنا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نہ نبوت کے منکر تھے نہ خلافت کے مگر یہ صاحب دونوں کے منکر ہیں۔ حروریہ نے خلیفہ وقت کے برخلاف ان الحکم الا للہ وّالامر بیننا شوریٰ (خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں اور ہم مشورت سے کام کرینگے) کی صدا احتجاج بلند کی تھی۔ لاہوریہ نے بھی خلیفہ وقت کے برخلاف مشورت کرو قالاح پاؤ کی صدائے احتجاج بلند کی ہے ؛

اور جعلی پیش خبری کو جناب اصدق الصادقین فداہ ابی و امی کی طرف منسوب کیا ہے اور امام بخاری جیسے نقاد فن حدیث نے جس کی احتیاط ائمہ حدیث اور علمائے سیر اور مورخین اسلام کے نزدیک مسلم الثبوت ہے اپنی عادت مستمرہ جرح و تعدیل کو چھوڑ کر بغیر تنقید کے اس وضعی روایت کو سادہ لوحی یا خوش اعتقادی سے اپنی مشہور کتاب جامع الصحیح میں درج کر لیا ہے۔

اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس مفتری نے اس روایت کو کس زمانہ میں اور کس خیال سے وضع کیا ہے کیا وہ کروسیڈ کا زمانہ ہے کہ اقوام یورپ نے یوروشلم اور تسخیر سیریا کیلئے متفق ہو کر جیسے بیگ میں لٹکالی ہے اور مصر و شام پر حملہ کر دیا ہے اور اس راوی نے عیسائی قوم کی متفقہ کوشش اور سعی اور جوش سے متاثر ہو کر اور روم کے پوپ اور پادریوں کی قوت کے بڑھ جانے کو سیاسی نگاہ غائر سے دیکھکر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب اس تنازع للبقا میں جو اسلام اور نصرانیت میں برپا ہو گیا ہے آج نہ سہی چند صدیوں کے بعد اسلامی بحر ذخار میں ضرور حالت جزر پیدا ہو جائیگی اور مسلمان مضطرب ہو کر یہ کہہ اٹھینگے ؎ ملتے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد: دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے :. اور عیسویت کا سمندر جوش زن ہو کر تمام ممالک اسلامیہ پر پانی پھیر دے گا اسلامی علم سرنگون ہو جائے گا اور صلیبی جھنڈا ہر گوشہ دنیا میں لہراتا نظر آئیگا لہذا اپنے پیغمبر کی عظمت اور وقار بڑھانے اور ان کے معجزات اور پیشگوئیوں کی وقعت قائم کرنے کے لئے ایک ایسی روایت بطور پیش خبری قبل از وقت اپنی طرف سے وضع کر کے اسکی طرف منسوب کر رکھنی چاہیے کہ جب دنیا پر غلبہ صلیب ہو جائے تو اسوقت کے بعض خوش اعتقاد مسلمان اس روایت کو اپنے نبی کریم کے دیگر معجزات کی تصدیق میں مخالفان مذہب اسلام کے سامنے پیش کر سکیں۔ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر افترا کرنا کیسا ہی گناہ عظیم کیوں نہ ہو اور اسکی وعید ابدی نار جہنم ہی ہو اور گو ایسی پیش خبری کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے سے اپنی کیاست اور فراست کا اظہار ہوتا ہو اور اس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہ ہو پھر بھی اس پیشگوئی کو بلا مفاد دنیوی و اخروی اپنے پیغمبر ہی کی طرف منسوب کرنا بہتر ہے :.

لیکن جب تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالکر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض یہ روایت وضع بھی ہوئی ہے تو امام بخاری سے پہلے ہوئی ہے اور امام بخاری کا تولد سنہ ۱۹۴ھ

ہے جو کروسیڈ سے دو سو تراسی (۲۸۳) برس پہلے ہے کیونکہ پہلا کروسیڈ ۹۳ھ میں بیٹر دی ہرمٹ کے جوش دلانے والی منادی سے ہوا ہے اور ۱۹۲ھ کا زمانہ قریب قریب ۸۰۰ھ کے ہے جس میں لشکر اسلام جبل الطارق سے گزر کر اسپین میں اور اسپین سے بڑھکر جگر گاہ فرانس مقام ٹورس کے قریب تک جا پہنچا ہے ایشیا مائنر اور مصر اور افریقہ سے رومۃ الکبریٰ کی سلطنت کا اثر بالکل زائل ہو چکا ہے اور اسلامی علم کا پرچم اپنا لہرا رہا ہے اسلامی فتوحات کا اثر سندھ۔ ہند۔ ملک چین۔ اور سائیبریا اور آبنائے کاسفورس تک پھیل چکا ہے ایسے شباب اسلام کے وقت میں جو اسکے زوال کا خیال ایک سیاسی مدبّر کے دماغ میں بھی آنا مشکل ہے ایک سیدھے سادے مسلمان کا جو نہ کوئی فلاسفر ہے نہ حکیم ہے نہ دُور اندیش - بارہ سو برس پیشتر یہ کہنا کہ گو اس وقت مسلمان ہر طرف مظفر و منصور اور عیسائی مغلوب و مقہور ہیں مگر ضرور ایک وقت ایسا آجائے گا کہ صلیبی جھنڈا روئے زمین پر اپنا پرچم اڑائیگا اور اسلام کما بدء غریبًا سیعود غریبًا ہو جائے گا۔ اور پھر بارہ سو برس کے بعد اس کی پیشگوئی کا بے کم و کاست پورا ہو جانا معجزہ ہے کرامت ہے خرق عادت ہے الہام ہے استدراج ہے ؛

ایسے معجز کلام کو تو فخر قوم و ملّت اور ناصر الاسلام کہنا روا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عاشق رسول اللہ کہنا زیبا ہے کہ اس نے ایسی زبردست پیشگوئی اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کی جو اگر کر لیتا تو یورپ کے اس سیاسی مدبّر سے جو بعض قرائن سیاسیہ سے قبل از وقوع کوئی نتیجہ استخراج کر کے اخباری دنیا میں عام شہرت کا اعزازی تمغا حاصل کرتا ہو زیادہ تر مستحق عزت و شہرت ہوتا اور اگر اس کا وجود یورپ کی سرزمین میں ہوتا تو آج ہمارا آزاد خیال گروہ بھی نہایت احترام سے اسکا نام لیتا مگر اس غریب راوی کا مولد تو ایشیا کی خاک ہے بدیں وجہ اسکو مفتری اور کاذب اور غیر قابل اعتماد کا خطاب دیا جاتا ہے ؛ -

کس قدر قابل افسوس امر ہے کہ جب تک اسکی روایت اپنے الفاظ میں پوری نہیں ہوئی تھی تو ماہران فن روایت اور واقفان طرق سیر و تاریخ اس روایت صحیح حسن کا ریویو کرتے رہے اور جب وہی روایت اپنے الفاظ میں پوری ہو گئی اور اس نے صورت وقوع اختیار کر کے اپنی صداقت پر آپ مہر کر دی اذا وقعت الواقعہ لیس لوقعتہا

کاذب یہ اجب ہونے والی بات ہو چکے گی نہیں کوئی اس کے ہو چکنے کے لئے جھوٹ بولنے والا) تو ناشناسان فن روایت اس پر جعلی اور وضعی ہونے کا ریمارک کرنے لگ گئے ھذا شیئ عجاب قوم کی بد قسمتی پر رونا آتا ہے کہ جو امر باعث فخر و مباہات قوم و ملت ہو۔ اسی پر بےجا نکتہ چینی کی جاتی ہے فرض کیا کہ اس وانا دشمن نے محض از راہ ہمدردی اسلام اسلامی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے ایک روایت اپنے دل سے وضع کی ہے جو آج چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہی ہے آپ کیوں اسلام کے نادان دشمن بنکر ایک اسلامی صداقت کی بلاوجہ موجہ اور بلا دلیل تکذیب کرتے ہیں۔

آخر اس غریب کی نسبت بدظنی کے پیمانہ کا کچھ حصہ کم کر کے اتنا تو خیال کرو کہ اس نے نہ اپنی ذاتی شہرت کو مدنظر رکھا ہے اور نہ اپنی کیاست و فراست کے اظہار کو ملحوظ رکھا ہے اور نہ اپنے گنہگار ہونے کی پروا کی ہے پھر کس مجبوری نے اسکو ایسا مضطر کیا ہے کہ اسنے یہ پیش خبری اپنی طبیعت سے تراش کر اس اصدق الصادقین کی طرف منسوب کی ہے۔

اور کیوں اکابر محدثین اور آئمہ حدیث نے اس روایت کے ایسے راوی کی نسبت جرح و قدح نہیں کی اور کیوں اسکو صادق القول دیانتدار متقی کی سند دیکر اسکی روایت کو کتب حدیث میں درج کیا ہے اور اگر اس پیشگوئی کا واضع ایک ہے تو اسکے متعددہ طرق کیوں ہیں؟ کیا متعدد اشخاص نے اس کو وضع کیا ہے دیکھو امام بخاری نے اس حدیث کے راوی یہ بیان کئے ہیں حدثنا اسحٰق انا یعقوب بن ابراھیم ثنا ابی صالح عن ابن شھاب ان سعید ابن المسیب سمع اباھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر (امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے اسحٰق نے اور ان سے یعقوب بن ابراہیم نے اور ان سے انکے والد نے بیان کیا اور ابو صالح ابن شہاب سے سنا کہ سعید ابن مسیب نے ابو ہریرہ کو کہتے ہوئے سُنا۔ کہ جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ضرور ضرور تم میں ابن مریم حکَم عادل ہو کر آئے گا۔ پھر وہ صلیب کو توڑیگا خنزیر کو قتل کریگا) اور امام احمد ابن حنبل کی مسند میں اسکے راوی یہ درج ہیں۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد ابن جعفر قال ثنا ھشام

ابن حسان عن محمد عن ابی ھریرۃ۔ ان دونوں روایتوں کا راوی اول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے مگر دوسرے راوی جدا جدا ہیں اور سب ثقاہت میں مسلم ہیں ائمہ جرح نے انکی دیانت پر کوئی اعتراض نہیں کیا پس ان بزرگوں کی طرف وضاع ہونے کا گمان ان بعض الظن اثم میں داخل ہے۔

اسلامی دوستی کے یہ معنی نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کے کہنے سے ایک اسلامی صداقت پر بیجا نکتہ چینی کیجائے اور برہان عقلی یا نقلی قائم کرنیکے بغیر ایک روایت کو جعلی یا وضعی کہنا اصول روایت کے خلاف ہے۔

ان نیونیشن تعلیمیافتہ نوجوان مسلمانوں سے تو تاریکی کے زمانہ کے پلے ہوئے ان پڑھ یہودی ہی دانشمندانہ اپنے مذہب کی حمایت کرتے تھے کہ جب عیسائیوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے اولڈ ٹسٹمنٹ سے چند پیشگوئیاں پیش کیں تو انہوں نے بجائے وضعی اور جعلی کہنے ان روایات کے یہ کہدیا کہ یہ پیشگوئیاں مسیح پر چسپاں نہیں ہوتیں یعنی یہ روایات تو صحیح ہیں۔ مگر حضرت مسیح کے حق میں پورے طور سے صادق نہیں آتیں لیکن ان کے برخلاف ہماری قوم کے نئی روشنی میں تربیت یافتہ ایم اے اور بی اے۔ بیرسٹر اور وکیل اڈیٹر اور مدیر پروفیسر اور فلاسفر بخاری جیسی اصح الکتب کی اسی روایت صحیحہ کو جو آپ اپنا جوہر صداقت اہل بصیرت پر نمایاں کر رہی ہے۔ وضعی ہونے کا خطاب دے رہے ہیں۔

اسلام کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت کا زمانہ آئیگا۔ کہ اسی کے نام لیوا اسی کی صداقتوں پر جبکہ ان صداقتوں کے ظہور کا زمانہ اپنی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر دیکھ رہے ہیں تو تکذیب اور تردید کا پانی پھیر رہے ہیں۔ آریہ سماج بیدوں کی ڈیڈ لنگوج سنسکرت کی وضعیات کو جنکے مصنفوں کا پتہ نہیں چلتا صداقتوں کا جامہ پہنانے میں سر توڑ کوشش کر رہی ہے اور اس کے نوجوان انگریزی خوان اسکی حمایت میں چہار طرف سے زور دے رہے ہیں مگر اللہ رے مسلمانوں کی حق جوئی اور حق پسندی کہ اسلامی صداقتوں کو وضعیات کا خطاب دینا ان کے نزدیک اسلامی حمایت ہے۔

خیر چونکہ اس حدیث کے دو حصے ہیں ایک آخری دنوں میں صلیب کا غلبہ ہونا۔ دوسرا غلبہ صلیب کے وقت مسیح موعود کا آنا۔ پہلے حصہ کی نسبت تو ابھی عرض ہو چکا ہے۔ اب رہا وہ

حصہ جس میں مسیح موعود کے آنے کی خبر ہے سوان کی نسبت حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر پیش کیجاتی ہے۔ آپ شہادت القرآن میں فرماتے ہیں:۔

واضح ہو کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث پیشگوئی ہے وہ ایسی نہیں جس کو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بنا پر لکھا ہو وبس۔ بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتدا سے مسلمانوں کے رگ وریشہ میں داخل چلی آتی ہے گویا جس قدر اسوقت روئے زمین پر مسلمان تھے۔ اسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر وہ اس کو یاد کرتے چلے آئے تھے اور ائمہ حدیث امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قومی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا اور روایات صحیح مرفوعہ متصلہ سے جن کا ذخیرہ ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اسناد کو دکھا دیا۔ علاوہ اسکے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افترا ہے تو اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی؟ اور کیوں انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور کس ضرورت قویہ نے ان کو اس افترا پر مجبور کیا (انتہی کلامہ القدسی)

مسلک ثانی کی خرابی

اب دوسرے گروہ کا اعتقاد کہ حضرت مسیح ناصری بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ ہیں اور وہی پھر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے

اس کی نسبت جواب ہو چکا ہے کہ قرآن کریم اور سنت اللہ اور فطرت انسانی اس عقیدہ کو دور سے دھکا دیتی ہے۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ پہلے تشریعی نبی تھے اب غیر تشریعی نبی ہو کر آئینگے۔ ثبت العرش ثم النقش (پہلے تخت بنالو پھر اس پر نقش کرو) یہ بحث اس وقت ہو سکتی ہے جب ان کی آسمانی جسمانی زندگانی ثابت ہو کر انکی جسمانی رجعت ثابت ہو لیکن یہ دونوں امر کتاب اللہ و کتاب الرسول سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتے من ادعی فعلیہ البیان۔ علاوہ بریں تشریعی نبی کے غیر تشریعی نبی بنجانے کی انبیاء گذشتہ میں کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔

مسلک ثالث کی خرابی۔

تیسرے گروہ کا قول ہے کہ پہلے حضرت مسیح تشریعی نبی تھے اب ایک امتی بنکر آئینگے ھذا اوھن من بیت العنکبوت (یہ تو مکڑی کے جالے سے

بھی زیادہ ہوا ہے ت) کیونکہ نبوت ایک انعام ہے خداتعالےٰ کا بے جرم وخطا۔ ایک اولوالعزم نبی
کو اسکے عہدہ جلیلہ سے معزول کرنا منافی شان عدل ورحم وربوبیت ہے ان اللہ لیس بظلام للعبید
(اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔) **مسلک رابع** ہمارا مسلک ہے

مسلک خامس کی خرابی | پانچویں گروہ لاہوریہ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر نبی صاحب کتاب
ہوتا ہے اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا کوئی فرد نبی نہیں ہوسکتا۔ اور نبی نہ ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم **خاتم النّبیّین** ہیں مسیح موعود تو موعود مسیح ہیں
کیونکہ آنحضرت نے اسکی آمد کی خبر دی ہے مگر نبی نہیں ہے۔

چونکہ مسالک خمسہ میں سے ہر ایک کے مسلک کا استدلال **خاتم النّبیّین** کی آیت
سے ہے اسلئے خاکسار **عبید اللہ** بسمل احمدی بن حضرت خواجہ **مظہر جمال** مرحوم نقشبندی مجددی نے
یہ عجالہ جسکا نام **حق الیقین فی معنی خاتم النّبیّین** ہے غیر متعصب اصحاب کیخدمت
میں پیش کیا ہے اسال اللہ تعالیٰ ان یعصمنی من فحش الغلط وقبح التورط وان یخلص
عملی لوجہہ ویوسعنی من عفوہ انہ علی مایشاء قدیرۃ وباجابۃ ادعیۃ العباد
جدیر واللہ المستعان وعلیہ التکلان وھو حسبنا ونعم الوکیل ط

مؤلف

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

(ترجمہ) محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ویکن اللہ کا رسول اور خاتم النّبیّین ہے

شانِ نزول

حضرت زید ابن حارثہ اُن چار نفوس میں سے ہیں جن کو سبقت اسلام کا شرف حاصل ہُوا ہے بعض کے نزدیک حضرت اُم المومنین صدیقہ کبریٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اور بعض کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعد مشرّف باسلام ہوئے ہیں یہ دراصل ایک اعلیٰ شریف النسب آدمی تھے اور عرب کے اس معروف قبیلہ میں سے تھے جو بنی طے کے نام سے مشہور تھا اور جس میں حاتم طائی جیسا نامور فیاض گزرا ہے قبل از بعثت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی والدہ سُعدیٰ قافلہ کے ساتھ ان کو لیکر میکے جارہی تھیں۔ عرب کے بدوؤں نے قافلہ پر چھاپا مار کر سارا مال متاع لُوٹ لیا۔ زید کو بھی پکڑ کرلے گئے ابھی آٹھ یا نو برس کی عمر تھی کہ زید کو مکّہ کے مشہور بازار عکاظ میں لاکر فروخت کیا۔

حضرت صدیقہ کبریٰ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم ابن حزام نے اپنی پھوپی کے لیے چار سَو درہم کو خریدا۔ جب حضرت خدیجہ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا تو حضرت صدیقہ نے زید کو حضور علیہ السلام کی ملکیّت میں دیدیا۔

حضور علیہ السلام نے فوراً آزاد کردیا تھوڑے دنوں کے بعد زید کا چچا تلاش کرتا ہُوا مکّہ میں آنکلا اور زید کو پہچان کر اپنے ساتھ لیجانا چاہا لیکن زید حضور علیہ السلام کی شفقت کا ایسا گرویدہ ہوگیا تھا کہ اس نے آپکا دامن عاطفت ترک کرنا گوارا نہ کیا حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ اگر زید کی منشاء بیٹے کی ہو تو ہم اپنے پاس رکھینگے اور اگر جانا چاہے تو ہماری طرف سے اجازت ہے مگر زید نے اپنے چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت زید پر ایسی شفقت فرماتے تھے جیسے کہ ایک شفیق باپ بیٹے پر۔ اس شفقت کو دیکھکر لوگونکو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور علیہ السلام نے زید کو اپنا متبنّیٰ قرار دیا ہے بدیں وجہ لوگ زید کو بجائے زید ابن حارثہ پکارنے کے زید ابن محمد پکارنے لگ گئے۔ لیکن چونکہ چند دنوں تک غلامی کی حالت میں رہ چکے تھے بعض لوگ اب بھی اس شریف بنی طے کو بنظرِ حقارت دیکھتے تھے۔

زید حضور علیہ السلام کو بہت عزیز تھے حضرت نے اُن کا نکاح اپنی آزاد لونڈی ام ایمن سے کر دیا۔ اُن کے بطن سے اسامہ ابن زید پیدا ہوئے وہ بھی اپنے باپ زید کی طرح حضور علیہ السلام کو یَا اَبَتِ کہکر پکارا کرتے تھے۔

جب ام ایمن کا انتقال ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے ان کا دوسرا نکاح اپنی پھوپی زادہ بہن زینب بنت جحش سے کرنا چاہا زینب کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا۔

اگرچہ زید ابن حارثہ اب زید ابن محمد پکارے جاتے تھے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قبیلہ بنی طے کے شریف النسب نوجوان ہیں مگر چند روزہ داغ غلامی لگنے سے زینب جو قریش کے چمکتے ہوئے خاندان بنی ہاشم کی لڑکی تھی زید سے پیوند کد خدائی ناپسند کرنے لگی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت اصرار کیا مگر زینب انکار پر انکار کرتی چلی گئی۔ خدا تعالیٰ نے اسکے انکار پر یہ آیت نازل فرمائی وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرة من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً۔ پ ۲۲ ع ۲ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول اسکی نسبت کوئی بات قرار دیدیں تو وہ اپنی رائے کو دخل دیں اور اس بات میں ان کا اپنا اختیار باقی ہے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا اس حکم الٰہی کو سُنکر زینب مجبور ہو گئیں اور حضور نبوی کے حکم کے مطابق زید کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا۔

نکاح ہونے کو تو ہو گیا مگر میاں بیوی میں موافقت پیدا نہ ہوئی حتّٰی کہ زید زینب کے چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر چند فرماتے رہے امسک علیک زوجک

(اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے) مگر زید خانہ جنگی سے کچھ ایسا بیزار ہو گیا کہ اسنے زینب کو طلاق دے دی اب حضور علیہ السلام کو چند مشکلیں پیش آئیں۔ سب سے پہلے زینب کی دلجوئی کہ ان کو آپ نے زید سے بیاہ دیا تھا اور وہ نکاح ان کو ناگوار تھا۔ اس پر طلاق دیا جانا یہ دوسری ناگواری تھی۔ اسی کے مقارن خداتعالےٰ کو منظور ہوا کہ متبنّٰے کی رسم جو خلاف نیچر ہے موقوف کی جائے۔

جب ایک شخص دنیا میں کوئی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو سب سے عمدہ تدبیر اس اصلاح کے جاری کرنے کی یہ ہے کہ خود اس پر عمل کر کے اپنا نمونہ دوسروں کو دکھائے اب یہ موقع تھا کہ زینب کی دلجوئی کے لئے تو حضور علیہ السلام ان سے نکاح کر لیں مگر باعتبار رواج عرب متبنّٰے کی بی بی سے نکاح کرنا صلبی بیٹے کی بی بی سے نکاح کرنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

اگر حضور علیہ السلام زینب سے نکاح نہ کرتے تو زینب کی دلجوئی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ متبنّٰے کی رسم کی اصلاح ہو سکتی تھی۔ لوگ یہ حجت کرتے کہ خود جناب رسول کریم کو ایسا موقعہ ملا اور جو دوسروں سے کرانا چاہتے تھے آپنے خود نہ کیا۔

لیکن ایسا نکاح کرنے میں یہ قباحت تھی کہ رسم مروّجہ کے مطابق نہایت ہی مکروہ الزام اس عالیجناب پر عائد ہوتا اس لئے حضور علیہ السلام چند روز تک اس میں متردد رہے۔

مگر آخر کار اصلاح کا پہلو غالب رہا۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ جب زینب کی مدت عدت پوری ہو چکی تو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ سے فرمایا کہ زینب کے پاس جاؤ اور میرے نکاح کا پیغام ان کو دو۔ زید گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کہا زینب! جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے نکاح کا پیغام دیتے ہیں۔ زینب یہ پیغام سن کر مارے خوشی کے سجدے میں گر پڑیں اور زید سے کہا تاوقتیکہ میں اس بارے میں استخارہ نہ کر لوں اور خدائے عزوجل سے مشورہ نہ لے لوں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ اس موقع پر جناب رسول خدا صلے اللہ پر یہ آیت نازل ہوئی فلما قضیٰ زید منھا وطراً زوجنکھا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءھم اذا قضوا منھن وطراً وکان امر اللہ مفعولاً ط پھر جب زید زینب سے بےتعلقی کر چکا تو ہمنے اے رسولؐ تمہارے ساتھ اسکا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے جب وہ اپنی بیبیوں سے تعلق

نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے۔
ادھر خدا تعالےٰ کے حکم سے ۵ھ میں آنحضرت کا نکاح زینب سے ہو گیا۔ ادھر کفار نے زبان درازی شروع کر دی کہ حضرت نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا خدا تعالےٰ نے طعنے کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی ما کان محمد ابا احد من رجالکم (یعنے جب محمد تم مردوں میں سے کسی کا حقیقی باپ نہیں تو زید کا جو صرف زبان سے بیٹا کہا گیا ہے کیوں باپ ہونے لگا۔ ما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذٰلکم قولکم بافواھکم (تمہارے منہ بولے بیٹے خدا نے تمہارے بیٹے نہیں بنائے یہ تو محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں) جو حقیقت سے بالکل دور ہیں فطرت میں تو ابنک ابن بوحک ہے) تیرا فرزند وہ ہے جو تیرے نطفہ سے ہو۔ پھر زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیوں حرام ہونے لگا تھا۔
اب چونکہ ابنیت کی نفی کے ساتھ حضور علیہ السلام کی نرینہ اولاد کی بھی اس آیت میں نفی ہوتی تھی اور کفار قریش پہلے ہی سے حضور کی نرینہ اولاد کے انتقال پر ابتر ہونے کا طعنہ دے رہے تھے اور اب اس آیت میں نرینہ اولاد کی نفی سے کفار قریش کے طعنہ کی تائید کا وہم پیدا ہوتا تھا۔ لہٰذا اس شبہ اور وہم کے رفع کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے ولکن رسول اللہ فرمایا۔

وَلٰکِنْ

اس میں دو قرائتیں ہیں (ایک) تشدید نون کے ساتھ جیسا کہ بیضاوی میں ہے۔ قرئ (ولکنّ) بالتشدید تخفیف یکون رسول اللہ بالنصب اسمہ (لکنّ) تشدید نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس حالت میں رسول اللہ نصب کے ساتھ اس کا اسم ہوگا) مگر یہ قرأت شاذہ ہے۔
تشدید نون کے ساتھ حروف مشبہ بالفعل سے ہے جو اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں یہ دو جملوں کے درمیان آیا کرتا ہے (۱) کبھی محض تاکید کے (۲) اور کبھی تاکید مع الاستدراک (۳) اور کبھی مجرد استدراک کے معنے دیتا ہے۔
(۱) تاکید کے معنی کا افادہ اسوقت دیتا ہے جبکہ جملہ ثانیہ اثبات یا نفی میں جملہ اولیٰ کا

لفظاً موکد ہو جیسے لوجاءنی زید اکرمتہ ولکنہ لم یجئی (اگر زید میرے پاس آتا تو میں اسکا اکرام کرتا ولیکن وہ میرے پاس نہیں آیا۔ اسکا جملہ اولیٰ (لوجاءنی زید) اگر زید آتا) زید کی عدم مجیئیت پر دال ہے اور دوسرا جملہ (لم یجئی وہ نہیں آیا) اسی کی نفی کرتا ہے اسلئے جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کا موکد لفظی ہے۔

(۲) تاکید مع الاستدراک کا فائدہ اسوقت دیتا ہے کہ جب جملہ ثانیہ اثبات یا نفی میں جملہ اولیٰ کا لفظاً تو نہیں مگر معناً موکد ہو جیسے ما زید شجاعاً لکنہ کریم (زید شجاع ہی نہیں ولیکن کریم ہے) کریم لفظ شجاع کی لفظاً تو تاکید نہیں مگر معناً تاکید ہے کیونکہ کریم کے لیے شجاعت لازم ہو

(۳) مجرد استدراک کے معنی اس وقت دیتا ہے جب جملہ ثانیہ جملہ اولٰے کے ساتھ نفی اور اثبات میں محض معناً مغائر ہو۔ چنانچہ رضی لکھتا ہے فشرطہا مغایرۃ ماقبلہا لما بعدہا نفیا واثباتاً من حیث المعنی لا من حیث اللفظ (اسکی شرط یہ ہے کہ اسکا جملہ ثانیہ حکم میں اپنے ماقبل جملہ کا لفظاً تو نہیں مگر معناً مخالف ہو۔

اور استدراک کے معنے لغت میں تدارک مافات کے ہیں اور نحویوں نے اسکی تعریف یہ کی ہے رفع توھم یتولد من الکلام المتقدم (یعنے پہلے کلام سے کسی پیدا شدہ وہم کا دور کرنا استدراک ہے پس حرف استدراک یعنی (ولکن) کے استعمال کی پانچ شرطیں ہوئیں۔

(۱) حرف استدراک دو جملوں کے درمیان ہو۔

(۲) اسکے بعد کا کلام نفی اور اثبات میں پہلے کلام کا مغائر ہو۔

(۳) پہلا کلام مابعد کے کلام سے من حیث اللفظ مغائر نہ ہو بلکہ معناً مغائر ہو۔ اور اگر من حیث اللفظ مغائر ہو تو صورت تاکید پیدا ہو جاتی ہے اور اگر معناً مغائر نہ ہو تو صورت تاکید مع الاستدراک کی نمایاں ہو جاتی ہے اور مجرد استدراک کے لئے معناً مغایرت شرط ہے

(۴) پہلے کلام سے کوئی وہم پیدا ہوتا ہو۔ اور اگر وہم نہ پیدا ہو۔ تو کلمہ استدراک کا استعمال بے سود ہو جاتا ہے۔

(۵) اسکے بعد کا کلام اس وہم ناشی کو دور کرتا ہو۔ اور اگر اس سے وہم دور نہ ہوتا ہو۔ تو بھی کلمہ استدراک کا لانا عبث ٹھہرتا ہے۔

اب اس آیت کریمہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر غور کرو۔ اس میں پانچوں شرطیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

(۱) شرط اول کے مطابق اس آیت میں حرف استدراک (ولکن) دو جملوں ماکان محمد ابا احد من رجالکم اور رسول اللہ وخاتم النبیین کے درمیان واقع ہے۔

(۲) شرط دوم کے مطابق (ولکن) سے پہلا کلام ماکان محمد ابا احد من رجالکم جملہ نافیہ ہے اور اسکے بعد کا کلام رسول اللہ وخاتم النبیین جملہ مثبتہ ہے۔ اور یہ دونوں نفی اور اثبات میں ایک دوسرے کے مغائر ہیں۔

(۳) شرط سوم کے مطابق (ولکن) سے بعد کے کلام رسول اللہ وخاتم النبیین میں کوئی لفظ اس سے پہلے کلام ماکان محمد ابا احد من رجالکم کے الفاظ کا نہ معناً مؤکد ہے۔ من حیث اللفظ مغائر ہے بلکہ معناً مغائر ہے۔ اگر لفظاً مغائر ہوتا تو تاکید کی صورت بنجاتی جیسے لوجائی زید اکرمتہ ولکنہ لم یجیئ میں اور اگر معناً مؤکد ہوتا۔ تو تاکید مع الاستدراک کی صورت بنجاتی جیسے ما زید شجاعاً ولکنہ کریم میں لہٰذا محض معناً مغائر ہونے سے مجرد استدراک ہی کی صورت بن سکتی ہے۔

اب یہ تو ثابت ہوگیا کہ کلام اول کلام ثانی سے محض معناً مغائر ہے مگر یہ مغائرت کیسی ہے کیونکہ استدراک کی صورت میں جملتیں کی مغائرت کی تین ہی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔

(۱) یا استدراک کے بعد کا جملہ جملہ اولی کا مخالف ہوتا ہے جیسے ما زید قائماً ولکنہ شارب (زید کھڑا نہیں لیکن وہ پینے والا ہے) مگر اسکی نسبت تو نحوی کا یجوز ذلک (یہ جائز نہیں کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً اگر خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے ہوتا تو لوگ اسمیں بہت اختلاف پاتے) کہکر رد فرماتا ہے

(۲) یا جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کی ضد ہوتا ہے جیسے ما ھذا ابیض ولکنہ اسود (یہ سفید نہیں ولیکن سیاہ ہے) مگر اس آیت میں پہلا جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم ابوت رجالی کا مظہر ہے اور دوسرا جملہ آنحضرت کی ذات میں وجود رسالت کا مثبت ہے عدم ابوت رجالی اور وجود رسالت میں کسی قسم کا تضاد نہیں بعض رسول ابو الرجال بھی تھے

بعض نہیں بھی تھے۔

(۳) یا جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کا مناقض ہوتا ہے جیسے ماھذا ساکنا ولکنہ متحرک (یہ ساکن نہیں متحرک ہے) مگر ایک سطحی خیال کا انسان کہدیگا اسمیں تو مناقضت بھی نہیں لیکن کلمہ استدراک یعنی (ولکن) خواہاں ہے کہ اگر ان دونوں جملوں میں تخالف بھی نہیں۔ تضاد بھی نہیں تو مناقضت ضرور ہونی چاہئے ورنہ (ولکن) کا کلمہ بیکار جائے گا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فصاحت وبلاغت کوٹ کوٹکر بھردی ہے۔ اس حکیم علی الاطلاق نے نہایت ابلغ طریقہ سے ایک قسم کی صورت تناقض فرماکر (بیان) احسن پیرایہ سے اسکو رفع بھی کردیا ہے۔

صورت تناقض یہ ہے کہ پہلے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابو الرجال نہیں ہیں۔ دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے قال مجاھد کل رسول ابو امتہ۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ابو امت ہوئے لہٰذا جملہ سابقہ اور جملہ لاحقہ میں باعتبار اتحاد محمول مناقضت پیدا ہوگئی کہ آپ ابو امتہ ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں اور کلمہ استدراک اسی کا خواہاں تھا لا بدان تقدمھا کلام مناقض لما بعدھا یعنی (ولکن) کے پہلے کلام سے اس کے بعد کا کلام مناقض ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ اجتماع نقیضین ذات واحد میں محال ہے اسلئے خدا تعالےٰ نے ماکان محمد ابا احد من رجالکم کے بعد ایسا کلام منجز نظام ارشاد فرمایا جو بوجہ اختلاف اعتبارین مناقض کلام اول نہیں۔ کلام اول میں نفی ابوت آنحضرت باعتبار جسمانیت ہے اور کلام ثانی میں اثبات ابوت آنحضرت باعتبار روحانیت ہے اور دونو کلام بوجہ اختلاف اعتبارین مناقض نہیں ہیں۔ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار جسمانیت ابو الرجال نہیں تھے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولیکن باعتبار روحانیت ابو الرجال تھے۔ ولکن رسول اللہ وکل رسول ابو امتہ۔

چونکہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم سے نفی مطلقہ ابوت رجالی متبادر فی الذہن ہوتی تھی کیونکہ روحانیت کی قید اس کے ساتھ نہیں تھی اور یہی مافات تھی۔ لہٰذا اس وہم کے

رفع کرنے کے لئے کلمہ استدراک ولکن اور اس مافات کے تدارک کے واسطے رسول اللہ ارشاد ہُوا یعنے ولیکن آپ ان رجال کے روحانی باپ ہیں۔ قنوی لکھتا ہے وکل رسول ابو امتہ کا مطلقاً بل من حیث انہ شفیق ناصح لہم واجب التوقیر والطاعہ علیہم (ہر ایک رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے مطلق باپ نہیں ہوتا بلکہ بحیثیت مہربانی اور انکی خیرخواہی کے باپ ہوتا ہے جس کی توقیر اور اطاعت انپر واجب ہوتی ہے۔

اب چوتھی اور پانچویں شرط بھی اس آیت میں متحقق ہو گئی اسلئے ثابت ہو گیا کہ (ولکن) اس آیت میں مجرد معنے استدراک کے لئے ہے نہ تاکید کے لئے اور نہ تاکید مع الاستدراک کے لئے۔

(۲) دوسری قرأت اسکی (ولکنْ) تسکین نون کے ساتھ ہے اور یہی قرأت مشہورہ ہی یہ اپنے مابعد کے اسم میں کچھ بھی عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اس اسم میں اس کے بعد کا فعل اثر کرتا ہے خداتعالے فرماتا ہے ولکن الناس انفسہم یظلمون۔ اور دوسری آیت میں ہے۔ ولکن اللہ رمیٰ۔ تیسری آیت میں ہے۔ ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس کو۔ اور اسم اللہ کو رمیٰ نے اور کفروا نے الشیاطین کو رفع دیا ہے صاحب لسان العرب لکھتا ہے رفعت ھٰذہ الاحرف بالافاعیل التی بعدھا (یہ اسمار اپنے مابعد کی فعلوں کی وجہ سے مرفوع ہیں)

اور اس آیت میں (ولکن) کے بعد (کان) مضمر ہے جس نے (رسول اللہ) کو نصب دیا ہے کیونکہ ماکان محمد ابا احد پر معطوف ہے اور اگر رفع دیجائے جیسے کہ دوسری قرأت میں ہے تو (ھو) مضمر نکالنا پڑتا ہے اسکی نظیر قرآن کریم کی یہ دوسری آیت ہے ماکان ھٰذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ ولکن تصدیق رفع سے اور دوسری قرأت میں نصب سے روایت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب (لکن) جملہ پر جملہ کے عطف کے واسطے آتا ہے تو اسوقت کلمہ (بل) کے معنے دیتا ہے الا ترٰی انک تقول لم یقم اخوک بل قام ابوک (کیا تو نہیں دیکھتا کہ تو کہا کرتا ہے۔ کہ تیرا بھائی نہیں اٹھا بلکہ تیرا باپ اٹھا ہے) اور اسی طرح سے یہ بھی کہا کرتا ہے کہ تیرا بھائی نہیں اٹھا لیکن تیرا باپ اٹھا ہے اور ان دونوں فقروں کے معنے ایک ہی ہیں

پس اسی طرح سے اس آیت میں (لکن) بھی کلمہ بل کے معنی دیتا ہے نہ استدراک کے مگر یہ اس صورت میں ہے جب (ولکن) کے ساتھ حرف واؤ نہ ہو۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے فاذا قالوا (ولکن) فادخلوا الواو تباعدت من بل اذلم تصلح فی بل الواؤ (جب لکن پر واؤ لگا کر (ولکن) کہیں تو کلمہ (بل) سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ کلمہ (بل) کے ساتھ واؤ کا لانا ٹھیک نہیں ہے)

اور اسی طرح سے جب اس پر واؤ آجائے تو عاطفہ کے معنے بھی نہیں دیتا۔ لسان العرب میں ہے خفیفة باصل الوضع فان ولیہا الواؤ فہی حرف ابتداء لمجرد افادة الاستدراک ولیست عاطفة (ولکن) خفیفہ اصل وضع میں اگر اسکے بعد جملہ ہو تو حرف ابتداء ہے مجرد افادہ استدراک کے لئے اور عاطفہ نہیں ہے کیونکہ عاطفہ حرف واؤ ہے ابن مالک کہتا ہے لکن غیر عاطفة والواؤ عاطفة لجملة حذف بعضہا علی جملة صرح بجمیعہا قال فالتقدیر فی نحو قام زید ولکن عمرو ولکن قام عمرو وفی ولکن رسول اللہ ولکن کان رسول اللہ (لکن) غیر عاطفہ اور حرف (واؤ) عاطفہ ہوتا ہے ایسے جملہ کے واسطے جس کا کچھ حصہ حذف کیا گیا ہو ایسے جملہ پر جس کے تمام حصوں کی صراحت کی گئی ہو۔ ما قام زید ولکن عمرو (زید نہیں اٹھا ولیکن عمرو) میں تقدیر عبارت اس طرح پر ہے ما قام زید ولکن کان عمرو۔ اسی طرح ولکن رسول اللہ میں تقدیر عبارت ولکن کان رسول اللہ ہے۔

چونکہ اس آیت کریمہ میں (ولکن) واؤ عاطفہ کے ساتھ ہے اسلئے مجرد استدراک کے معنی دیتا ہے (بل) کے معنے نہیں دیتا۔

رسول اللہ

بعض کے نزدیک (ولکنّ) مشددہ کا اسم منصوب ہے اور اسکی خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ولکنّ رسول اللہ من عرفتم انہ لم یعش لہ ولد ذکر (ولیکن اللہ کا رسول ہے جس کی نسبت تم جانتے ہو کہ اسکی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی) (دیکھو بیضاوی)

اور بعض کے نزدیک چونکہ پہلے جملہ پر اس کا عطف ہے اور (ولکن) مخففہ ہے اور کان اسکے بعد

محذوف ہے اسلئے بتکریر کان جملہ ناقصہ معطوفہ ہے اور رسول اللہ (کان) کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح پر ہے وکان محمد رسول اللہ۔

اور بعض کے نزدیک بتقدیر (ھو) جملہ مستانفہ ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور تقدیر کلام یہ ہے ولکن ھو رسول اللہ

بہرحال کلام اول میں جو امر مافات ہے اسکے تدارک کے لئے آیا ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ظاہر کرتا ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ نہیں تو پھر ان لوگوں سے انکا تعلق کیا ہے سو خدا تعالے نے رسول اللہ فرماکر لوگوں سے انکا تعلق ظاہر فرمادیا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور تم اسکی امت ہو جو تعلق ہر رسول کا اپنی امت سے ہوتا ہے وہی تعلق اسکا بھی تم سے ہے۔ رسول کا تعلق امت سے کیا ہوتا ہے سو ظاہر ہے کہ وہ تمام امت کی روحانی تربیت کرتا ہے اور بدیں وجہ وہ امت کا روحانی باپ ہوتا ہے لہٰذا خدا تعالے نے رسول اللہ کہکر ظاہر کردیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ رسول اللہ ہونے کے تمہارا روحانی ابوالمومنین ہے پس اس آیت میں رسول اللہ قائم مقام ابوالمومنین ہے۔

لیکن بعض علمائے ظواہر اس سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ وفی الروضۃ لا یجوز ان یقال ابوالمؤمنین بظاہر الآیۃ۔ روضہ میں ہے کہ نظر بظاہر آیت آنحضرت کو ابوالمومنین کہنا جائز نہیں اس پر قنوی لکھتا ہے ھٰذا عجب اذا المنفی حقیقۃ الابوۃ والمثبتۃ من حیث التوقیر فلا وجہ للانکار لان المعلم ابوالمتعلّم من حیث یجب علیہ الطاعۃ والاحترام فما ظنّک بالانبیاء علیہم السلام۔ یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت حقیقی کی نفی ہے اور آنحضرت کی ابوت من حیث التوقیر ایک ثابت شدہ امر ہے جس میں کسی قسم کے انکار کی گنجایش نہیں۔ کیونکہ آپ معلم کتاب اللہ وحکمت اور مزکی نفوس انسانی ہیں۔ ھو الذی بعث فی الامیّین رسولا منہم یتلوا علیہم اٰیاتہٖ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (وہی ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول برپا کیا ہے جو خدا کی آیتیں ان کو پڑھکر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے

اور خدا کی کتاب اور حکمت ان کو سکہاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

پس جبکہ معلم متعلم کا باپ اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ متعلم پر اسکی اطاعت اور احترام واجب ہے تو کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت کچھ اور گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان کو بوجہ احترام ابو المومنین نہ کہا جائے اگر یہ خطاب سرور عالم کی ذات کے متعلق جائز نہ ہوتا تو صحابہ کرام مندرجہ ذیل کی احادیث کیوں روایت فرماتے۔

(۱) حدثنا ابن وکیع قال حدثنا حسن ابن علی عن ابی موسیٰ اسرائیل ابن موسیٰ قال الحسن فی القرأۃ الاولیٰ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھو اب لہم (اخرجہ ابن جریر) ابن وکیع نے ہم سے بیان کیا ہے کہ حسن ابن علی نے ابو موسیٰ اسرائیل ابن موسیٰ سے ہمارے پاس روایت کی ہے کہ حسن بصری کہتے تھے کہ پہلی قرأت میں آیا ہے۔ کہ نبی سی لگاؤ ہے ایمان والوں کا زیادہ اپنی جان سے اور اسکی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور وہ ان کے لیئے باپ ہے۔

(۲) عن قتادہ قال فی بعض القرأۃ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم وھو اب لہم وازواجہ امہاتہم (قتادہ کہتا ہے کہ ایک قرأت میں ہے نبی سے ایمان والوں کو زیادہ لگاؤ ہے ساور وہ ان کے لئے باپ ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں (ابن جریر)

(۳) اخرج عبد الرزاق وسعید ابن منصور واسحٰق ابن راھویہ وابن المنذر والبیھقی عن بجالہ قال مر عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بغلام وھو یقرء فی المصحف النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وھو اب لہم وازواجہ امہاتہم (الدر المنثور) (عبد الرزاق اور سعید ابن منصور اور اسحٰق ابن راہویہ اور ابن المنذر اور بیہقی بجالہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک لڑکے کے پاس سے ہوکر گذرے وہ قرآن کریم پڑھ رہا تھا۔ کہ نبی مومنوں کے ساتھ انکی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور وہ ان کا باپ ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں۔

(۴) اخرج الفریابی وابن مردویہ والحاکم والبیھقی فی سننہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یقرء ھذہ الآیۃ۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وھو اب لہم

وازواجہ امہاتہم (الدرالمنثور) وفتح البیان فریابی اور ابن مردویہ اور حاکم اور بیہقی اپنی سنن میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ نبی مومنوں کے ساتھ ان کی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور وہ ان کے لیئے باپ ہے اور اسکی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

(۵) اخرج الفریابی وابن ابی شیبہ وابن جریر وابن ابی حاتم عن مجاھد قرء النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھواب لہم (الدرالمنثور) قال مجاھد کل نبی ابو امتہ (فتح البیان) فریابی اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اسنے اس آیت کو اس طرح سے پڑھا کہ نبی مومنوں کے ساتھ اسکی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں اور وہ ان کا باپ ہے مجاہد کہتا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔

(۶) اخرج ابن ابی حاتم عن عکرمہ قال کان فی الحرف الاول النبیؐ اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھواب لہم (الدرالمنثور) ابن ابی حاتم عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ پہلی قرأت میں اس طرح پر تھا نبی مومنوں کے ساتھ ان کی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں۔ اور وہ انکے لئے باپ ہے۔

(۷) وفی قرأۃ ابن مسعود النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وھواب لہم (فتح البیان) (حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قرأت میں ہے کہ نبی مومنوں کے ساتھ انکی جان سے زیادہ محبت رکھنے والا ہے اور وہ ان کا باپ ہے۔

(۸) عن الباقر والصادق قرءاو ازواجہ امہاتہم وھواب لہم قال القمی نزلت وھو اب لہم (صافی) امام باقر اور جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دونوں صاحب انی واجہ امہاتہم کے بعد ھواب لہم پڑھا کرتے تھے قمی کا بیان ہے کہ ھواب لہم کی آیت منزل من اللہ ہے

(۹) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم مالم تکونوا تعلمون (تفسیر ابن کثیر) ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوا اسکے نہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ والد ہوں

تم کو وہ باتیں سکھاتا ہوں جو تم نہیں جانتے تھے۔

جب کتاب اللہ اور کتاب رسول سے حضور کا روحانی ابوالمؤمنین ہونا ثابت ہے۔ تو ایک شخص کے لایجوز کہنے پر اعتنا نہیں کیا جاتا۔

پس اس آیت کریمہ میں رسول اللہ کنایتاً اپنے لازم معانی روحانی ابوالمومنین کے مفہوم کو ادا کرتا ہے الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ۔

اور اگر روحانی ابوالمومنین کے معنے نہ لئے جائیں تو اور کوئی امر تدارک مافات نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ ابوت روحانی وہ ذی شان ابوت ہے جو معلّم اور متعلّم مرشد اور مسترشد نبی اور امت کے درمیان قائم ہوتی ہے اور یہی وہ عظیم الشان ابوت ہے کہ جس کو تمام فلاسفہ ابوت جسمانی کے تمام اقسام سے ترجیح دیتے چلے آئے ہیں والد مربی جسم معلم مربی روح ہوتا ہے جس قدر روح کو جسم پر ترجیح ہے اسی قدر معلم کو والد پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی وہ روحانی ابوت تھی جس کی وجہ سے خدا تبارک و تعالیٰ نے جناب رسول کریم روحنا فداہ کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو امہات المومنین قرار دے کر اس روحانی باپ کے انتقال کے بعد اسکے روحانی فرزندوں پر ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابداً ان ذٰلکم کان عند اللہ عظیما (اسکی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی تمنے نکاح نہ کرنا تحقیق یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی ہے) فرما کر حرام مؤبّد قرار دیا ہے لیکن اس آیت میں رسول اللہ ارشاد ہونے سے تو سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلّم دیگر رسولوں کے ہم مرتبہ ٹھہرتے ہیں قال النسفی کل رسول ابو امتہ فیما یرجع الی وجوب التوقیر والتعظیم لہ علیہم ووجوب الشفقۃ والنصیحۃ لہم علیہم (فتح البیان) (نسفی کہتا ہے کہ ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اس امر میں کہ اسکی توقیر اور تعظیم امت پر اور امت کی شفقت اور نصیحت اس پر واجب ہے) پس جناب رسول کریم بھی اپنی امت کے روحانی باپ اور دیگر رسول بھی اپنی اپنی امتوں کے روحانی باپ لہٰذا خدا تعالےٰ نے چاہا کہ سید السادات علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی خاص فضیلت کو جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے نرالی ہے اس آیت میں ظاہر فرمائے۔ اس لئے اس کو

وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ

ارشاد فرما کر ہویدا کیا۔ اب اسکے یہ معنی ہوئے کہ محمد تم مردوں میں سے کسی کا جسمانی باپ نہیں۔
ولیکن اللہ کا رسول ہے یعنے روحانی ابو المؤمنین اور خاتم النبیّین ہے اب وخاتم النبیین
کے معنے معلوم کرنے کے لئے چار باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) حرف واؤ یہاں کیا فائدہ دیتا ہے (۲) خاتم کے یہاں کیا معنے ہوسکتے ہیں
(۳) النبیّین میں الف لام کیسا ہے (۴) نبی کے کیا معنے ہیں؟

و

یہ حرف حرف عطف ہے اور حرف عطف دو اسموں یا دو فعلوں یا دو جملوں کے درمیان جمع
کے لئے آتا ہے رضی لکھتا ہے فالواو للجمع۔ اگر واؤ نہ ہو تو اسموں یا دو فعلوں یا دو جملوں کا تعلق
جمع جاتا رہتا ہے۔ اگر خرج زید دخل عمرو (گیا زید آیا عمرو) بغیر واؤ کے کہا جائے تو جس طرح
کہ ان دونوں امروں کے وقوع میں قطع کا احتمال ہوسکتا ہے اسی طرح دونوں میں سے ایک کے
واقع ہونے کا بھی احتمال ہوسکتا ہے لیکن واؤ سے ان دونوں کی جمعیت منصوص ہوجاتی ہے۔
(کما قالہ الرضی)

اب دیکھو اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی تین قسم کی ابوت کا خدا تعالے نے
ذکر کیا ہے (۱) ابوت جسمانی (۲) ابوت روحانی عامہ (۳) ابوت روحانی خاصہ۔ ابوت جسمانی کی
نفی ہے۔ ابوت روحانی عامہ کا اثبات ہے۔ ابوت روحانی خاصہ کا وعدہ ہے۔ ابوت جسمانی
میں آپکا اشتراک عام افراد نوع انسانی کے ساتھ تھا۔ خدا تعالےٰ نے ما کان محمد ابا احد
من رّجالکم فرما کر اسکی نفی کردی۔ چونکہ ابوت جسمانی کی نفی کے ساتھ ابوت روحانی کی نفی کا
بھی شائبہ ہوتا تھا۔ خدا تعالے نے ولکن رسول اللہ فرما کر اسکا اثبات کردیا۔ لیکن اب اس
ابوت روحانی میں عام افراد صنفی یعنے تمام انبیاء کے ساتھ آپ کی مساوات کا شائبہ ہوتا تھا
اظہار خصوصیت کے لئے خاتم النبیّین فرما کر ابوت روحانی خاصہ یعنی روحانی ابو النبیّین
کا وعدہ فرمایا۔

اب اس ثبوت کے لئے دیکھو نفی ابوت جسمانی کے بعد کلمہ استدراک ہے اور استدراک کے
بعد فقرہ رسول اللہ ہے چونکہ ہر رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اسلئے یہ فقرہ روحانی ابو المؤمنین

کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے یہ مسلم امر ہے کہ مومنین سے انبیاء کا گروہ خاص ہوتا ہے اسلئے (واؤ) عاطفہ دیکر خاتم النبیین کا فقرہ بیان فرمایا ہے۔

اب دیکھو رسول اللہ معطوف علیہ ہے اور واؤ عاطفہ اور النبیین معطوف ہے اور بلاغت میں متعاطفین خواہ مفردین ہوں یا جملتین قبول عطف بالواؤ کی شرطیہ ہے کہ انمیں ایک جہت جامع ہو جیسے زید یکتب و یشعر (زید لکھتا ہے اور شعر کہتا ہے) دیکھو کتابت اور شعر میں تناسب ہے، اور تضاد بھی ایک قسم کی جہت جامع ہوا کرتی ہے جیسے زید یعطی و یمنع (زید دیتا ہے اور روکتا ہے) اگر متعاطفین میں جہت جامع نہ ہو تو متعاطفین کا جمع کرنا ایسا ہے جیسے جمع بین الضب و النون۔ ابو تمام جیسے بالغ الکلام شاعر سے اس شعر میں کسقدر چوک ہوگئی ہے ۱؎

لا والذی ھو عالم ان النوی ؞ صبر و ان ابا الحسین کریم

(اس خدا کی قسم جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ محبوب کی جدائی ایلوے کی طرح تلخ ہے اور ابو الحسین کریم ہے) یعنی خدا جانتا ہے کہ جدائی ایلوا ہے اور ابو الحسین سخی ہے۔ ابو الحسین کے کرم اور ایلوے میں کوئی بھی مناسبت نہیں۔ پس معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ ملانے میں باوجود مغایرت کے مناسبت تامہ کا ہونا ضروری ہے کان العطف یقتضی مغایرۃ من جھۃ و مناسبۃ تامۃ من جھت۔ اور اگر مناسبت نہ ہو تو عطف صحیح نہیں ہوتا جیسے زید طویل القد و نائم

اب دیکھو ولکن رسول اللہ اور وخاتم النبیین میں واؤ عاطفہ ہے اور عطف مقتضی ہے کہ متعاطفین میں ایک جہت سے مغایرت اور ایک جہت سے مناسبہ تامہ ہو۔

اول۔ اس امر کو تلاش کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ اور خاتم النبیین میں مناسبت تامہ کیا ہے۔ لہٰذا غرض نزول آیت پر غور کرنا چاہیئے اور غرض نزول آیت یہ ہے۔ کہ کفار قریش کا مقولہ تھا کا لمخالمن لا ال لہ۔ جس کی نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اسپر ابتر ہونے کا عیب لگاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو بھی اسی کریہ لفظ سے یاد کرتے تھے خدا تعم

۱؎ ضب یعنے سوسمار صحرائی جانور ہے پانی میں نہیں رہ سکتا (نون) مچھلی صحرا میں نہیں رہ سکتی۔ جہاں دو بے جوڑ باتیں جمع ہوں تو کہتے ہیں جمع بین الضب والنون

کو ان کے عیب دھرنے کے مقابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فخر لوگوں پر ظاہر کرنا مقصود تھا
اسلئے ماکان محمد ابا احد من رجالکم کے بعد ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ارشاد
فرمایا کہ تم جو ہمارے برگزیدہ رسول کی نسبت اسکی جسمانی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ابتر ہونے کا عیب لگاتے
ہو۔ اور یہ خیال کرتے ہو۔ اذا مات انقطع ذکرہ (جب مرجائیگا تو کوئی اسکا ذکر نہیں کریگا) جسمانی
اولاد سے تو ذکر چلتا بھی ہے اور نہیں بھی چلتا۔ لو تم جس کو باعث ذکر اور سرمایۂ فخر سمجھتے ہو۔ وہ
چیز اپنے رسول سے لے لیتے ہیں تاکہ تم کو یہ گمان نہ ہو کہ اس رسول کا ذکر اسکی نرینہ اولاد سے چلا ہے
یہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ کے رسول کا ذکر اسکی روحانی اولاد سے چلا کرتا ہے۔ اس رسول کا ذکر
بھی اسکی روحانی اولاد سے چلیگا۔

آدم علیہ السلام کی طرف دیکھو کہ باوجود اسکے کہ اتنی نرینہ اولاد انکے سامنے موجود تھی۔ ایک
ہابیل کے مرنے پر کس قدر انہوں نے گریہ و بکا کیا تھا۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف خیال کرو کہ باوجود سام حام یافث جیسے رشید فرزندوں
کے موجود ہونے کے جب کنعان جیسا نالائق فرزند نافرمانی اور عصیان کی وجہ سے ڈوب گیا
تو رب ان ابنی من اہلی کی پکار مچانے لگ گئے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام
ہی کا حال پڑھکر دیکھ لو۔ کہ ان کے بارہ نوجوان پہلوان بیٹوں میں سے جب یوسف اس کی
آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو ہمیشہ یا اسفی علی یوسف پکارتے رہے اور حزن سے اسکی آنکھیں
روتے روتے سفید ہوگئیں۔ وابیضت عیناہ من الحزن وھو کظیم۔

مگر اس رسول کی طرف تو دیکھو کہ اسکی نرینہ اولاد عبداللہ فوت ہوگیا قاسم نے انتقال
کی ابراہیم راہی آخرت ہوگیا۔ طیب جنت میں جا بسا۔ طاہر آخرت کو سدھارا۔ الغرض نہ
جوانی کی نرینہ اولاد رہی نہ بڑھاپے کی ٹیک رہی۔ ہر ایک کے مرنے پر تم ابتر کا طعنہ دیتے رہے۔
اولاد بھی وہ اولاد مری جو ولو عاش لکان صدیقاً نبیاً ہوسکتے تھے مگر رحمت ہو اس اولوالعزم
فخر رسل پر کہ کس صبر اور کس استقلال کے ساتھ یہ ہماری قضا پر راضی رہا ہے بتقاضائے
فطرت انسانی العین تدمع والقلب یحزن کہکر خاموش رہا اور اسپر بار بار کے تمہارے
دلخراش طعنے سہتا رہا جو کسی رسول نے نہیں سہے تھے اسلئے اسکے صبر کا اجر بہ نسبت دوسرے

رسولوں کے زیادہ دیا گیا ہے کہ وہ صرف ابو المومنین ہی تھے اور یہ ابو النّبیّین بھی ہے۔

الغرض اس آیت میں کفار قریش کے اس اعتراض کا ردّ ہے جو آنحضرت پر ابتر ہونیکا عیب لگاتے تھے اور اگر یہ اعتراض ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیّین کہکر نہ ردّ کیا جاتا تو ما کان محمد ابا احد من رّجالکم سے اس اعتراض کی تائید ہوتی تھی۔ حاصل کلام اس تائید کے وہم کے دور کرنے کے لئے کلمہ استدراک ولکن کے بعد رسول اللہ وخاتم النّبیّین آیا ہے۔ جو ابو المومنین اور ابو النبیین کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔

اس آیت میں اول النبیین یا اوسط النّبیّین یا آخر النبیین کی نسبت نہ کوئی وہم ہوتا ہے نہ کوئی اعتراض ہے نہ کوئی تائیدی کنایہ ہے۔ کہ جو خاتم النّبیّین کے معنے آخر النّبیّین لینے پر مجبور کرتا ہو۔ نہ تقدم بالزّمان بالذّات باعث شرف ہے نہ تاخر بالزّمان۔ بلکہ تقدم بالشرف بالذات باعث شرف ہے ویسے ہی روحانی ابو النّبیّین ہونا بھی نبیین پر باعث تقدم بالشرف ہے پس واو عاطفہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے دو تقدم بالشرف اس آیت میں جمع کئے ہیں اور خاتم النّبیّین کے معنے آخر النّبیّین کے ماننے سے آنحضرت کا محض ایک تقدم بالشرف یعنے ابو المومنین ہونا باقی رہ جاتا ہے اور ابو النبیین ہونے کا شرف اڑ جاتا ہے۔ صدر میں بیان ہو چکا ہے کہ رسول کا مفہوم ابو المومنین ہے اور رسول اللہ معطوف علیہ ہے پس خاتم النّبیّین میں جو کہ معطوف ہے کوئی بات ابو المومنین ہی کے قریب ہونی چاہئے تاکہ مناسبت بین المتعاطفین متحقق ہو۔ اور اگر مناسبت تامہ بین المتعاطفین نہ ہو تو جمع بین المتعاطفین کی صورت جمع بین النصب والنّون کی سی ہو جائے گی رسول اللہ یعنے روحانی ابو المومنین ہونا تقدم بالشرف ہے اسکی مناسبت نہ تقدم بالزّمان سے ہے۔ نہ تقدم بالعلیّہ سے نہ تقدم بالمکان سے اور نہ تاخر بالزّمان سے۔ یا یوں کہو کہ روحانی ابو المومنین کو تاخر زمانی سے کوئی مناسبت نہیں اور روحانی ابو المومنین آخر کو روحانی ابو المومنین اوّل پر بالذّات کچھ بھی فضیلت حاصل نہیں بلکہ روحانی ابو المومنین اول کو تقدم بالزمان حاصل ہے کان الفضل للمتقدم۔

روحانی ابو المومنین کے مناسب حال تو ابوۃ النّبیّین ہے پس جبکہ معطوف علیہ کا مفہوم یعنے رسول اللہ کا مفہوم ابوۃ مومنین کو ظاہر کر رہا ہے تو معطوف علیہ کے ساتھ معطوف کی مناسبت تامہ

اسی وقت ہو سکتی ہے کہ معطوف کا مفہوم بجائے تاخر زمانی کے ابوالنبیین کا مفہوم ظاہر کرے۔

لیکن اسکے برخلاف خاتم النّبیّین کے معنی آخر النّبیّین لینے سے یہ مناسبت جاتی رہتی ہے پس اسقدر عالیشان مناسبت کو چھوڑکر محض مغائرت کا پہلو اختیار کرنا کلام کے حسن پر عیب لگانا ہے۔ بلکہ دراصل اس آیت میں رسول اللہ و خاتم النّبیّین کا عطف بطریق ذکر الخاص بعد العام ہے۔ جیسے صاحب ایضاح لکھتا ہے کہ عام کے بعد خاص کا بطریق عطف ذکر کرنا خاص کی مزیت پر لوگوں کو آگاہ کرنے کی غرض سے ہوتا ہے گویا وہ خاص جنس عام سے نہیں ہے اور گویا اس خاص کو عام سے مغائر قرار دیا گیا ہے اور تغائر فی الوصف کے مرتبہ میں اتارا گیا ہے۔ ماحصل اسکا یہ ہے کہ جب تمام افراد عام سے از روئے اوصاف شریفہ ممتاز ہو جاتا ہے تو گویا وہ ایک ایسی شے بنجاتا ہے جو افراد عام کے مغائر ہوتی ہے اور اسکی حیثیت وہ پیدا ہو جاتی ہے کہ عام کو اسکے ساتھ اس حیثیت میں شمولیت نہیں ہوتی اور وہ عام کے حکم میں شمار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے علی سبیل العطف اسکا ذکر کرنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ عطف من وجہ مغائرت کا مقتضی ہے قرآن کریم میں ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف پ۴ ع (اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت بلاوے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے پسند بات کا ابن مالک اس آیت کی نسبت لکھتا ہے الدعاء الی الخیر اعم من الامر بالمعروف (امر بالمعروف کی نسبت دعوت الی الخیر عام ہے) دوسری آیت میں ہے من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال (جو شخص اللہ اور ملائکہ اور اسکے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو) یہاں ملائکہ کے ذکر کے بعد حضرت جبریل و حضرت میکائیل علیہما السلام کا ذکر ملائکہ پر انکی مزیت اور کثرت فضیلت پر لوگوں کو آگاہ کرنے کی غرض سے ہے قرآن کریم میں تیسری آیت ہے حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی (خبردار ہو نمازوں اور بیچ والی نماز سے) بعض کہتے ہیں وہی صلوۃ العصر۔ صلوۃ وسطی بہ نسبت دیگر صلوات کی خاص ہے)

چوتھی آیت ہے لا تاخذہ سنۃ ولا نوم پ۳ ع (اونگھ عام نیند خاص ہے) اسی طرح ولکن رسول اللہ و خاتم النّبیّین میں تخصیص بعد التعمیم ہے اور اس آیت میں ذکر الخاص بعد العام بطریق العطف ہے۔

اسکو سبیل الترقی کہتے ہیں جو محسنات معنویہ کلام میں سے ہے معطوف علیہ رسول اللہ میں تعمیم ہے
کیونکہ رسول عام مومنین کا باپ ہوتا ہے اور معطوف یعنے خاتم النّبیّین میں تخصیص ہے۔کیونکہ
انبیاء خاص مومنین ہوتے ہیں پس اسمیں تخصیص ہے اور آیت کی تفسیر یوں ہے۔ما کان
محمد اباجسمانیاً لاحد من رّجالکم ولکن ابا روحانیا للمومنین وابا روحانیاً للنّبیّین
متعاطفین میں مناسبت باعتبار تعمیم اور مغائرت صرف باعتبار تخصیص ہے۔

اب یہ سوال کہ اگر رسول اللہ نہ کہا جاتا تو خاتم النّبیّین سے مطلب پورا ہو سکتا تھا یا نہیں؟

(الجواب) اگر محض ابا النّبیّین ہی کہا جاتا تو یہ وہم ہوتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاص
مومنین یعنی انبیاء کے باپ ہیں شاید عامہ مومنین کے باپ نہیں یا آپکی امت کے تمام افراد
انبیاء ہیں اور کوئی فرد نبوت سے خالی نہیں۔

اس وہم کے رفع کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے اوّل رسول اللہ فرما کر عام مومنین
کی ابوت بیان فرمائی اور اسکے بعد وخاتم النّبیّین فرما کر خاص مومنین یعنے ابوت انبیاء کا اظہار
فرمایا۔الغرض مناسبت تامہ بین المتعاطفین بوجہ عمومیّت ابوت روحانی اور مغائرۃ بین المتعاطفین
بوجہ خصوصیت ابوت روحانی ہے۔

اسکے برخلاف اگر خاتم النّبیّین فرما کر خدا تعالےٰ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
تاخر زمانی کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو یہ مقصود بغیر لانے جملہ رسول اللہ کے بھی حاصل ہو سکتا تھا
کیونکہ خاتم النّبیّین کے مفہوم میں رسالت کے مفہوم کے ساتھ تاخر زمانی کا مفہوم بھی داخل
ہو سکتا تھا جو خاتم النّبیّین ہے وہ بدرجہ اولیٰ رسول اللہ بھی ہے کیونکہ (خاتم النّبیّین)
داخل زمرۂ نبیّین ہے اس صورت میں معطوف علیہ (یعنے رسول اللہ محض امر زائد رہتا۔

اب ہی وہ صورت جو مولوی محمد علی صاحب نے اِدھر اُدھر سے تلاش کر کے پیش کی ہے
کہ (رسول اللہ) کا مفہوم تو ابوت روحانی مومنین پر دلالت کرتا ہے۔اور خاتم النّبیّین محض
تاخر زمانی جتاتا ہے یعنے آخری روحانی ابو المومنین جس کے بعد کوئی دوسرا روحانی ابو المومنین
نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس صورت میں بھی محض (خاتم النّبیّین) ذہنی مع تاخر زمانی سے وہ مطلب

حاصل ہو سکتا تھا اور آیت کی صورت یہ ہونی چاہیئے تھی ماکان محمد ابا احد من رّجالکم
ولکن خاتم النّبییّن (محمد مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ولیکن آخری روحانی ابو المومنین
ہے اور رسول اللہ کے لانے کے بغیر بھی یہ مطلب بخوبی ادا ہو سکتا تھا)

کیونکہ ان لوگوں کے معنی کے رُو سے (خاتم النّبییّن) کا مفہوم جیسا کہ تاخر زمانی پر دال
ہے ویسا ہی نبوت پر بھی دال ہے کیونکہ آخری نبی انبیاء کے زمرہ میں داخل ہے خارج نہیں ہے
اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے پس خاتم النّبییّن اپنی امت کا روحانی باپ بھی ہے اور آخری روحانی
باپ بھی ہے اس صورت میں بھی معطوف علیہ کا لانا امر زائد ٹھہرتا ہے۔

اور اگر (خاتم النّبییّن) سے محض تاخر زمانی اور (رسول اللہ) سے ابوت روحانی کا مفہوم
لیا جائے۔ اس صورت میں مغایرت تو ظاہر ہے مگر مناسبہ تامہ کا پہلو نہیں نکلتا۔ ماسوا اس کے
خاتم النّبییّن کا مفہوم مشعر تاخر زمانی بھی مان لیا جاوے تو تاخر زمانی متضمن نفی نبوت آئندہ ہی
کیونکہ آخر النّبییّن آپ اسی وقت ہو سکتے ہیں جب آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہ آوے۔ اس
صورت میں جس طرح ماکان محمد ابا احد من رّجالکم یعنے نفی ابوت جسمانی کے بعد حرف
استدراک یعنے ولکن لاکر رسول اللہ سے اثبات ابوت روحانی کیا گیا ہے۔ اسی طرح اثبات
ابوت روحانی کے بعد کلمہ استدراک و لکن لاکر خاتم النّبییّن سے نفی ابوت روحانی آئندہ نبی کرنے
کی ضرورت تھی۔ اور آیت کا سیاق اس طرح پر ہوتا ولکن رسول اللہ ولکن خاتم النّبییّن
لا نبی بعدہ۔ یعنے محمد تم مردوں میں سے کسی کا جسمانی باپ تو نہیں ہے ولیکن روحانی باپ ہے
مگر آخری روحانی باپ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

کیونکہ جیسا ماکان محمد ابا احد من رّجالکم میں نفی ابوت جسمانی سے نفی
ابوت روحانی کا وہم ناشی ہوتا ہے اسکے رفع کے لئے کلمہ استدراک ولکن لایا گیا ہے اسی
طرح ولکن رسول اللہ سے یہ وہم ناشی ہوتا ہے۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم روحنا
فداہ مومنین کے روحانی باپ ہوتے ہیں اور انبیاء بھی مومنین ہوتے ہیں تو شاید آپ انبیاء کے
بھی روحانی باپ ہوں۔ پس اس وہم ناشی کے دُور کرنے کے لیے دوبارہ کلمہ استدراک کا لایا جانا ضروری
تھا تاکہ معنی کی وضاحت ہو جاتی۔

لیکن آیت میں دوسرا کلمۂ استدراک موجود نہیں بلکہ خاتم النبیین کا عطف بالواو رسول اللہ پر ہے اور واؤ واؤ جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعاطفین من وجہ ایک مناسبت تامہ کے نیچے جمع ہوئے ہیں اور من وجہ مغائرت رکھتے ہیں پس وہ مناسبت اور مغائرت باعتبار عموم وخصوص ہے جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے۔

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی باعتبار عمل واؤ عطف کے ساتھ تین صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

(الف) جیسا کہ علامہ جریر طبری لکھتا ہے۔ والنصب فیھما بتکریر کان ای کان محمد رسول اللہ وکان محمد خاتم النبیین۔

(ب) والرفع بمعنی الاستیناف ای ولکن ھو محمد رسول اللہ وھو خاتم النبیین

(ج) جملہ اولی بتکریر کان اور جملہ ثانیہ مستانفہ ولکن ای کان محمد رسول اللہ وھو خاتم النبیین۔

بعض لوگ اس تیسری صورت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ جملہ مستانفہ مضمون سابق سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جملہ ولکن کان محمد رسول اللہ کا مضمون ابوت روحانی ہے اور وھو خاتم النبیین کا مضمون تاخر زمانی ہے کلمہ استدراک کے لانے کی اسوقت ضرورت تھی جب یہ جملہ مستانفہ نہ ہوتا۔

لیکن فن بلاغت میں تناسب جملتین محسنات میں محسوب ہے پہلے کو بتکریر کان جملہ فعلیہ اور دوسرے کو بتقدیر ھو جملہ مستانفہ اسمیہ کہنے سے حسن عطف جاتا رہتا ہے ایضاح میں ہے کہ لکن من جملۃ محسنات العطف بین الجملتین تناسب الجملتین بان تکونا متماثلین فی الاسمیۃ او فی الفعلیۃ (لیکن دو جملوں کے درمیان عطف کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ دونوں اسمیہ اور فعلیہ ہونے میں ایک دوسرے کے مثل ہوں یعنے دونوں اسمیہ ہوں یا دونوں فعلیہ ہوں) پس پہلے کو فعلیہ اور دوسرے کو اسمیہ کہنے سے قرآن کریم کی اعلیٰ بلاغت جاتی رہتی ہے اسلئے مستحسن یہی ہے کہ پہلی دو صورتیں مانی جائیں یعنی فعلیہ کا عطف فعلیہ پر یا اسمیہ کا اسمیہ پر۔

اور اگر کہا جائے ان النحاۃ اختلفوا فی جواز عطف الجملۃ الاسمیہ علی الفعلیۃ وعکسہ یعنی نحوی جملہ اسمیہ کے فعلیہ پر اور فعلیہ کے اسمیہ پر عطف کرنے کے جواز میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اول

تو نحویوں کو اسکے جواز ہی میں اختلاف ہے پھر اگر اختلاف رفع بھی ہو جائے تو صورت جواز پیدا ہوتی ہے نہ صورت استحسان۔ ہم صورت استحسان کو چھوڑ کر صورت جواز کے پیچھے کیوں لگیں۔ علاوہ بریں اگر جائز بھی ہے جیسا کہ امالی میں ابن شجری لکھتا ہے ان الفعل المضارع یعطف علی اسم الفاعل و عکسہ نحو زید یتحدث وضاحك زید ضاحك و یتحدث و عطف اسم الفاعل علی فعل ماض لم یجز اذ لا ملازمۃ بینھما۔ (تحقیق فعل مضارع کا عطف اسم فاعل پر اور اسم فاعل کا فعل مضارع پر جائز ہے جیسے زید باتیں کرتا ہے اور ہنسنے والا ہے۔ اور ہنسنے والا ہے اور باتیں کرتا ہے اور اسم فاعل کا عطف ماضی پر جائز نہیں کیونکہ ان دونوں میں ملازمت نہیں ہے)

اب اگر جملہ رسول اللہ کو بتکریر کان جملہ فعلیہ مانا جائے اور جملہ مستانفہ اسمیہ کا اس پر عطف کیا جائے تو یہ جائز نہیں خاتم بالفتح کا تو اس پر عطف ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اسم فاعل نہیں ہے اور اگر خاتم اسم فاعل مانا بھی جائے تو بھی صورت جواز نہیں پیدا ہوتی کیونکہ رسول اللہ بتکریر کان ہے اور کان فعل ماضی ہے ماضی پر اسم فاعل کا عطف جائز نہیں اذ لا ملازمۃ بینھما۔

اب ایک اور صورت ہے کہ ان عطف اسم الفاعل علی فعل ماض لم یجز اذ لا ملازمۃ بینھما الا اذا قربت الماضی من الحال بان تقرنہ بقد۔ یعنی اسم فاعل کا عطف فعل ماضی پر جائز نہیں کیونکہ ان کے درمیان ملازمت نہیں مگر جبکہ فعل ماضی زمانہ حال کے قریب لفظ قد کے ساتھ ہو جیسے کہ ایک شاعر کا مصرعہ ہے ام صبی قد حبا او دارج۔ لیکن اسمیں رسول اللہ بتکریر کان تو ہے مگر لفظ قد اسپر نہیں ہے قد کان رسول اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ صورت بھی جواز عطف کی نہیں۔

بعض لوگ اسکے سوا ایک اور صورت پیش کرتے ہیں کہ نہیں جب اسم فاعل سے مراد ماضی ہو۔ تو اسوقت عطف کے لئے جواز کی صورت نکل آتی ہے جیسے ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللہ میں کیونکہ فعل ماضی اور اسم فاعل میں ملازمت پیدا ہو جاتی ہے خاتم النبیین ہے تو اسم فاعل مگر اس سے فعل ماضی مراد ہے۔

لیکن اس صورت سے بھی اسم فاعل کا عطف فعل ماضی پر جائز نہیں نکلتا کیونکہ ان المصدقین والمصدقات میں فعل ماضی کا عطف اسم فاعل پر ہے نہ فعل ماضی پر اسم فاعل کا اور فعل ماضی کا

عطف اسم فاعل پر قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے فالمغیرات صبحاً فاثرن به نقعا (پ ۳۰ س العادیات) اثرن کا عطف مغیرات پر ہے اسی لئے سہیلی لکھتا ہے یحسن عطف الفعل علی الاسم ویقبح عطف الاسم علی الفعل (فعل کا عطف اسم پر مستحسن ہے اور اسم کا عطف فعل پر قبیح ہے) کان رسول اللہ پر وخاتم النبیین کا عطف قبیح ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں نہیں علمائے بلاغت کی یہ باتیں نزول قرآن سے بعد کی بنائی ہوئی ہیں قرآن کریم ان کے قواعد کا پابند نہیں۔ دیکھو ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی میں مخرج اسم فاعل کا یخرج پر عطف ہے لیکن اول تو یہ فعل ماضی نہیں مضارع ہے۔ دوم زمخشری اسکی نسبت لکھتا ہے مخرج معطوف علی فالق الحب و یخرج المیت مبینة (مخرج کا عطف فالق الحب پر ہے اور جملہ ویخرج المیت مبینہ ہے۔

الغرض جبکہ ثابت ہے کہ اسم فاعل کا عطف ماضی پر ناجائز ہے تو یہ تیسری صورت بالکل جاتی رہی اور باقی دو ہی صورتیں رہ گئیں یعنی متعاطفین دونوں اسمیہ یا دونوں فعلیہ ہوں سو یہ صورت تناسب جملتین کی ہے کیونکہ تناسب الجملتین بان تکونا متماثلین فی الاسمیة وفی الفعلیة کو کہتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے متعاطفین میں کیا ہی عمدہ تناسب موجود ہے کہ ایک مشعر ابوت مومنین ہے دوسرا متضمن ابوت نبیین ہے دونوں قسم کی ابوت کو واو عاطفہ نے جمع کیا ہے۔ جملہ ثانیہ اولیٰ کی تاکید بطور تاسیس ہے بدر الدین ابن مالک شرح الفیہ میں لکھتا ہے ان الجملة التاکیدیه قد توصل بعاطف یعنے جملہ تاکیدیہ کبھی حرف عاطف کے ساتھ ملایا جاتا ہے پس جس طرح سے جملہ رسول اللہ قائمقام ابوالمومنین ہی اسی طرح سے جملہ خاتم النبیین قائمقام ابو النبیین ہے پہلے جملہ میں تعمیم ہے دوسرے میں تخصیص ہے۔ اس تخصیص بعد التعمیم کی غرض یہ بھی تھی کہ چونکہ یہود حضرت اسرائیل یعقوب علیہ السلام کو بوجہ اسکے کہ کثرت سے انبیاء آپکی ذریت میں ہوئے ہیں۔ جسمانی ابو الانبیاء اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن کی نسل سے کوئی نبی نہیں ہوا مگر بوجہ اسکے کہ کثرت سے انبیائے

بنی اسرائیل ان کی شریعت کے تابع ہوئے ہیں گو خدا تعالےٰ نے توریت میں انہیں نہیں فرمایا
مگر بزعم خود (خاتم النبیین) یعنے روحانی ابو الانبیاء خیال کرتے تھے مجمع البیان میں بہ ذیل
آیت خاتم النبیین لکھا ہے۔ ان الیھود یدعون فی موسیٰ مثل ذلک وھم
مع ذلک یجوزون ان یکون بعدہ انبیاء یعنی یہود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
خاتم النبیین ہی کہتے ہیں اور باوجود اس خاتم النبیین کہنے کے حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کے
مبعوث ہونے کے قائل ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مماثلت
تھی اور خدا تعالےٰ نے بھی حضرت موسیٰ کی معرفت ارشاد فرمایا تھا۔ خداوند تیرا خدا تیرے لئے
تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ استثنا باب ۱۸ اور قرآن کریم میں ہے
وشھد شاھد من بنی اسرائیل علی مثلہ فامن اور محققین نے اس آیت کی تفسیر
یوں کی ہے وقیل ھو موسیٰ وشھادتہ مافی التوراۃ من نعت الرسول۔ اور مماثلت
اس بات کی مقتضی تھی کہ حقیقی روحانی ابو الانبیاء کا چہرہ بمقابل ادعائی روحانی ابو الانبیاء کے دنیا
کو دکھا دیا جائے اسلئے (رسول اللہ) کے بعد (خاتم النبیین) کا جملہ ارشاد ہوا۔ تاکہ یہود
یہ نہ کہہ سکیں کہ حضرت موسیٰ تو خاتم النبیین تھے۔ یہ نبی جب مثیل موسیٰ ہیں تو کیوں خاتم النبیین
نہیں۔

دنیز اگر محض رسول اللہ فرماکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی ابو الانبیاء ہونے کا
اظہار نہ فرمایا جاتا تو چونکہ اکثر رسول باوجود امت کے روحانی ابو المومنین ہونے کے جسمانی ابو الانبیاء
بھی تھے جیسے حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام حضرت کی فضیلت کا پلہ ایک حصہ کم رہتا
حضرت اسحاق و یعقوب روحانی ابو المومنین اور جسمانی ابو الانبیاء۔ مگر آنحضرت نرے روحانی
ابو المومنین۔ لہٰذا اس کمی کو پورا کرتے بلکہ آپکا پلہ فضیلت زیادہ کرنے کے لئے آپکو
روحانی ابو المومنین اور روحانی ابو النبیین کا درجہ عطا ہوا۔ پس واؤ عاطفہ نے آنحضرت
کی ان دونوں فضیلتوں کو اس آیت میں جمع کیا ہے۔

خاتم

حسب تصریح کتب لغت (الختم) کے دو معنے ہیں (۱) مہر کرنا (۲) پورا کرنا جیسا کہ صراح اور منتہی الارب

بہقی میں ہے الختم تمام گردانیدن و مہر کردن
یہ لفظ دونوں معنوں میں متعدی بنفسہٖ اور باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے آیا ہے۔ اس لئے
اس مصدر کے اکثر مشتقات سے دونوں معنوں کا احتمال پیدا ہوتا رہتا ہے۔
مگر یہ نہیں کہ ان دونوں معنوں میں لزوم ہو یعنی جہاں کہیں مہر کرنے کے معنی ہوں۔ وہاں
پورا کرنے کے معنے بھی پائے جائیں دیکھو الاختتام کے معنے بپایان بردن کے ہیں۔ مگر
مُہر کردن کے معنی میں مستعمل نہیں۔
اسی طرح التختم کے معنے انگشتری در انگشت کردن کے ہیں مگر یہ لفظ بپایاں بردن کے معنی
نہیں دیتا۔ حالانکہ ان دونوں لفظوں کا مادہ ختم ہے جو کبھی مُہر کردن اور کبھی بپایان برُدن کے معنی
دیتا ہے خیر یہ مثالیں تو مزید فیہ کی تھیں۔ جن میں جاکر لفظ کی صورت بدلنے کے ساتھ معنوں میں
بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔
خود مجرد کی حالت میں دیکھو صلہ کے بدلنے سے معنے بھی بدل جاتے ہیں اور لفظ کی صورت
میں فرق نہیں آتا ختم اللّٰہ لہ بالخیر میں ختم کے معنے تمام گردانیدن کے ہیں نہ مہر کرنے
کے۔ اور ختم اللّٰہ علیٰ قلوبہم میں ختم کے معنی مہر کردن کے ہیں نہ تمام گردانیدن کے۔
پس (علیٰ) کے صلہ سے مہر کردن کے معنے ہیں چنانچہ ابوالبقاء اپنی کلیات میں لکھتا
ہے الختم ھو یستعمل تارۃً متعدیاً بنفسہٖ واخریٰ بعلیٰ۔ یعنی الختم کبھی متعدی بنفسہٖ
اور کبھی علیٰ کے صلہ سے استعمال ہوتا ہے۔ اور جہاں کہیں صلہ نہ ہو یعنی متعدی بحرف علیٰ نہ ہو
وہاں دونوں معنوں کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔ صاحب لسان العرب نے اس لفظ کی الگ الگ
دو جگہ گردان لکھی ہے ایک جگہ ختم یختمہٗ ختمًا وختامًا لکھکر اسکے معنے طبعہ یعنی مہر کردن
کے لکھے ہیں۔
اور دوسری جگہ ختم الشیٔ یختمہٗ ختمًا اسکے معنے بلغ اٰخرہٗ کے یعنے تمام کردن
و بپایان بُردن کے تحریر کئے ہیں۔
چونکہ اکثر اس لفظ کے مشتقات میں بوجہ نہ ہونے حرف صلہ کے دونوں معنوں کا احتمال
پایا جاتا ہے اسلئے ان آیات کے معانی بیان کرنے میں جن میں اس لفظ کے مشتقات میں

سے کوئی لفظ آگیا ہے اکثر مفسرین اور ارباب لغت نے اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک (ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص کی لگی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر) کی آیت میں لفظ ختام آیا ہے۔ اسکے معنے میں اکثر مفسرین کا اختلاف ہے۔

چونکہ لغت میں لفظ ختام کے دو معنی ہیں (۱) اٰخر الشیٔ یعنے کسی چیز کا پچھلا حصہ جیسے صراح میں ہے قولہ تعالیٰ ختامہ مسک ای اٰخرہ لان اٰخر ما یجدون رائحۃ المسک (خدا کے قول میں ختامہ مسک آیا ہے اسکے معنی آخر کے ہیں کیونکہ اس شراب طہور کے آخر میں مشک کی خوشبو پائینگے) اور صاحب تاج العروس انہی معنوں پر زور دیکر کہتا ہے وقول من قال یختم بالمسک ای یطبع فلیس بشیٔ لان الشراب یجیب ان یطیب فی نفسہٖ فاما ختمہ بالطیب فلیس مما یفید ولا ینفعہ طیب خاتمہ من لم یطب فی نفسہ۔ یعنی جس شخص نے ختامہ مسک کے یہ معنی کئے ہیں کہ اس پر مسک کی مہر لگاوینگے یہ معنی تو کچھ بھی نہیں ہیں کیونکہ شراب کے لئے تو اپنی ذات میں خوشبودار ہونا واجب ہے اور جو چیز فی حد ذاتہٖ خوشبودار نہ ہو اسکے واسطے مہر کی خوشبو چنداں نفع رساں نہیں ہوتی۔ دوسرے معنے ختام کے وہ مٹی ہے جس پر مہر لگائی جاتی ہے اور اہل عرب اس کو طین مختوم اور طین الختم کہتے ہیں۔ تاج العروس میں ہے الختام الطین یختم بہٖ علی الشیٔ یقال ما ختامک طین ام شمع۔ یعنی ختام وہ مٹی ہے کہ اس سے کسی چیز پر مہر لگائی جاتی ہے عرب میں محاورہ ہے کہ تیرے مہر لگانے کی چیز مٹی ہے یا موم ہے۔

انہیں معنوں کو ملحوظ رکھکر شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبد القادر صاحب نے اپنے اپنے ترجموں میں ختام کے معنے مہر کرنے کی چیز اور صاحب تفسیر حسینی نے مہر او بجائے گل مشک است لکھا ہے اور انہیں معنوں کو علامہ ابن خلدون نے صحیح سمجھا ہے اور نہایت اور تمام کے معنوں کو غلط قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے قد غلط من فسر ھذا بالنہایۃ والتمام وقال لان اٰخر ما یجدون فی شرابہم ریح المسک ولیس المعنی علیہ وانما ھو من الختام الذی ھو السداد لان الخمر یجعل لھا فی الدن سداد الطین او القار یحفظھا ویطیب عرفھا وذوقھا فبولغ فی وصف

خمر الجنة بان سد ادہا من المسك وهو اطيب عرفا وذوقا من القار والطين المعهود في الدنيا - یعنی ختام کے معنے ہیں جس نے نہایت اور تمام کے ساتھ تفسیر کرکے یہ کہا ہے کہ جنت کے لوگ اپنی شراب کے آخر میں مسک کی خوشبو پائینگے اس نے غلطی کھائی ہے اور یہ معنی ٹھیک نہیں کیونکہ ختام کے معنے اس آیت میں سداد یعنے ظرف کے دہان بند کے ہیں۔ اسواسطے کہ شراب کے مٹکے کے منہ کو مٹی یا قار سے بند کردیتے ہیں تاکہ شراب کی بو اڑ نہ جائے اور اسکے مزہ میں فرق نہ آجائے اس آیت میں بہشتی شراب کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا ہے کہ اسکے مٹکوں کا منہ مسک سے بند کیا جائیگا جس کی خوشبو دنیا کے مقرر کردہ دہان بند ظروف مٹی اور قار وغیرہ سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

لفظ خاتم کا بھی یہی حال ہے چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے (۱) ان الخاتم قد يطلق على الالة التي تجعل بالاصبع ومنه تختم اذا لبسه۔ یعنے لفظ خاتم کا اطلاق کبھی اس زیور پر کیا جاتا ہے جو انگلی میں پہنا جاتا ہے اور جب کوئی شخص انگلی میں پہنتا ہے تو عربی میں کہتے ہیں تختم اسنے انگوٹھی پہنی ہے۔

(۲) ويطلق على النهاية والتمام ومنه ختمت الامر اذا بلغت اخره۔ یعنے نہایت اور تمام پر بھی خاتم کا اطلاق ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی کام کو پورا کرتا ہے تو ختمت الامر کہتا ہے۔

پھر اس آیت کی قرأت اور اعراب میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور امام عاصم رحمۃ اللہ علیہما خاتَم النبیین بفتح التاء پڑھا کرتے تھے حضرت عثمان کے مصحف میں بھی یہی قرأت تھی۔

(۲) امام عاصم کے سوا دوسرے قاری خاتِم النبیین بکسر التاء پڑھا کرتے تھے۔ قتادہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ ولكن نبيا ختم النبيين پڑھتے تھے (دیکھو تفسیر جریر ومدارک) اور بوجہ اعراب دو قسم کا اختلاف ہے

(۱) جمہور کے نزدیک ولكن رسول الله وخاتم النبيين میں نصب (ہے) بتکریر کان ہے۔ قال الجريرو القرأت النصب عندنا۔ جریر کہتا ہے ہم لوگ نصب سے ہی پڑھتے ہیں۔

(۲) لیکن بعض کے نزدیک ولكن رسول الله وخاتم النبيين میں رفع بمعنے الاستیناف ہو

یعنی ولکن ھو رسول اللہ وخاتم النبیین ہے (دیکھو تفسیر ابن جریر)

اسی طرح پر آیت خاتم النبیین کے ارشاد ہونے کی غرض میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ اگر خاتم النبیین خدا تعالے نہ فرماتا تو شائد آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی کر بیٹھتے اسلئے خدا تعالے نے خاتم النبیین فر
دیا تاکہ حضرت کو معلوم ہو جائے کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اب خلق اللہ کی نصیحت میں
کوتاہی نہیں کرنی چاہئے اور اگر کوتاہی کی گئی تو پھر اس کمی کو کوئی پورا نہیں کرسکیگا۔ چنانچہ تفسیر غرائب
القرآن میں ہے لان النبی اذا علم ان بعدہ نبیاً آخر یترک بعض البیان والارشاد الیہ
بخلاف ما لو علم ان ختم النبوۃ علیہ۔

ان مفسرین کے زعم میں وہ انبیاء جن کے بعد دوسرے انبیاء آتے رہے ہیں نعوذ باللہ خلقت
نصیحت میں کوتاہی کرتے رہے ہیں اور تبلیغ کا پورا حق نہیں ادا کر سکے اور ہمیشہ اپنے بعد آنے والے ان
پر ٹالتے چلے آئے ہیں خدا تعالے نے ان انبیاء کی کوتاہیوں سے اکتا کر اس اندیشہ سے کہ مبادا یہ نب
بھی خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی نہ کر بیٹھے۔ خاتم النبیین کا پیغام بھیجدیا اور جتلا دیا کہ اب انب
کا بھیجنا ہمنے موقوف کر دیا ہے کیونکہ وہ خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی کرتے رہے ہیں۔ اب تم آخ
نبی ہو تمہارے بعد تو کوئی نبی نہیں آئیگا اگر تمنے بھی کوتاہی کی تو وہ کوتاہی قیامت تک چلی جائ
اور تمہاری کوتاہی کو پھر کون پورا کریگا کیونکہ اب باب رسالت بند ہو چکا ہے اور تم آخری نبی ہو۔
یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ پ
اے رسول پہنچا جو تجھکو اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام
حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کافی نہ تہا کہ خدا تعالے کو یہ جتلانا پڑا۔ کہ بس اب نبی نہ
آئیگا۔ اب یا رسول اللہ تمنے تبلیغ دین میں کوتاہی نہ کرنا۔ خیر یہ تو پرانے مفسرین کا خیال تھا۔ اب
مفسرین کا خیال بھی سن لو۔

(۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے کا قول ہے کہ اگر آپکے بعد نبی آجائے تو لازماً آپکی ابو
روحانی کا سلسلہ قطع ہو جائے گا اور پھر دوسرے نبی کی اولاد چلے گی اسلئے خاتم النبیین ا
ہوا ہے اگر بے ادبی معاف ہو تو جو مولوی صاحب نے خاتم النبیین کے ارشاد کی غرض بیا

اس سے تو یہودی خاتم النّبیّین کی غرض بدرجہا اچھی بیان کرتے ہیں کیونکہ ان کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتم النّبیّین ہیں جیسا کہ مجمع البیان میں ہے ان الیھود یدّعون فی موسیٰ مثل ذٰلك وھم معَ ذٰلك یجوزون بعدہ انبیاء لیکن ان کے اعتقاد میں حضرت موسیٰ ایسے خاتم النّبیّین یعنے روحانی ابو الانبیاء تھے کہ ان کے بعد انکی شریعت کے تابع صدہا انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور امت موسیٰ امت موسیٰ ہی رہی نہ امت حزقیل کہلائی نہ امت سموئیل اور حضرت موسیٰ کے خاتم النّبیّین یعنے روحانی ابو المومنین اور روحانی ابو النّبیّین ہونے میں مطلق فرق نہ آیا اور نہ آسکتا ہے اور ان انبیاء کی روحانی اولاد یا جسمانی اولاد سب حضرت موسیٰ ؑ کی روحانی اولاد سمجھی گئی اور سمجھی جاتی ہے اولاد کی اولاد اولاد ہی کہلاتی ہے جب جسمانی سلسلہ میں مورث اعلیٰ کی ابوت میں فرق نہیں آتا تو کیا روحانی سلسلہ ایسا گیا گزرا ہے کہ اس میں روحانی بیٹے کے پیدا ہونے سے مورث اعلیٰ کی روحانیت کا سلسلہ لازماً قطع ہو جاتا ہے۔ اگر ہو جاتا ہے تو انہ لشیئ عجاب۔ اگر جسمانی سلسلہ میں مورث اعلیٰ کی ابوت کا سلسلہ جسمانی بیٹے کے پیدا ہونے سے قطع نہیں ہوتا تو روحانی سلسلہ میں قطعیت کا لزوم کہاں سے آگیا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں اگر آپ کے بعد کوئی نبی آجاوے تو لازماً آپکی ابوت روحانی کا سلسلہ قطع ہو جائیگا۔ گویا مولوی صاحب لوگوں کو یہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا سلسلہ ایسا زبردست تھا کہ ان کے بعد ہزارہا انبیاء کے مبعوث بانبوت ہونے سے منقطع نہ ہوا مگر عیاذاً باللہ سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کا سلسلہ ایسا کمزور ہے کہ اگر آنجناب کے بعد ایک نبی بھی آپکی امت میں آگیا تو لازماً آپکی نبوت کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور تمام شیرازہ شریعت درہم برہم ہو جائے گا اور وہ نبی خواہ امتی ہی کیوں نہ ہو مگر امت محمدیہ امت نہیں رہیگی۔

(۳) لیکن چونکہ صاحب الوحی کی قدر و منزلت صاحب وحی ہی جانتا ہے اھل مکۃ اعرف بشعابھا۔ اور وحی الٰہی کے رموز کو بشر ذو الوحی ہی خوب پہچانتا ہے رب البیت ادریٰ بما فی البیت حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء اس ارشاد کی علت غائی اور غرض اصلی یوں بیان فرماتے ہیں اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو صاحب خاتم بنایا یعنے آپکو افاضۂ الکمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النّبیّین

ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپکی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر دیا گیا کہ وہ ان معنوں سے خاتم النبیین ہیں کہ ایک تو تمام کمالات ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو بلکہ وہ امتی کہلاتا ہے نہ مستقل نبی۔

سچ ہے نبی کی عزت نبی ہی جانتا ہے ؎ ہر کہ گوید شنیدہ میگوید ٭ فرق است آنکہ دیدہ میگوید

خلاصہ کلام حضرت یہ ہے کہ خاتم النبیین دو غرضوں کے لئے ارشاد ہوا ہے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے ہیں اور یہ معنی الختم بمعنی بپایاں بردن سے ماخوذ ہیں۔

دوسرے یہ کہ آئندہ آنے والے انبیاء آپکی مہر سے اور آپکی شریعت کے تابع ہونگے دوسرے رسول تو اپنی امتوں کے روحانی باپ تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی فضیلت حاصل ہے کہ آپ آئندہ انبیاء کے روحانی باپ ہونگے اور ان آنے والے انبیاء کے روحانی فرزند در اصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند ہونگے اور یہ معنی الختم بمعنے مہر کردن سے ماخوذ ہیں۔ اصل اختلاف ہم میں اور ہمارے مخالفوں میں یہ ہے۔ کہ :-

(۱) ہم کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں انبیاء ہو سکتے ہیں۔

(۱) وہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں انبیاء نہیں ہو سکتے۔

(۲) ہم کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع انبیاء کے آنے سے آپکی شان بڑھتی ہے۔

(۲) وہ کہتے ہیں آنحضرت کی شریعت کے تابع انبیاء کے آنے سے حضرت کی شان گھٹتی ہے۔

(۳) ہم کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں انبیاء کی بعثت سے امت محمدیہ کی خیریت ثابت ہوتی ہے۔

(۳) وہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں انبیاء کی بعثت سے امت محمدیہ کی خیریت جاتی رہتی ہے۔

(۴) ہم کہتے ہیں کہ نبوت انعام الہی ہے اور آنحضرت صلعم

(۴) وہ کہتے ہیں کہ نبوت بیشک انعام الہی

اپنی امت کے منہ پر اس انعام الٰہی کا دروازہ کھولنے والے ہیں۔	مگر آنحضرت اپنی امت کے منہ پر اس انعام الٰہی کا دروازہ بند کرنیوالے ہیں۔
(۵) ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخری تشریعی نبی تھے	(۵) وہ کہتے ہیں نہیں آخری نبی تھے۔
(۶) ہم کہتے ہیں آنحضرت کی مُہر سے نبی ہونگے	(۶) وہ کہتے ہیں آنحضرت کی مُہر سے کوئی نبی نہیں

لہذا ان تنازعات کے تصفیہ کے لئے ضروری ہے کہ آیت خاتم النبیین کی جو بھی صورتیں لفظاً یا معناً لغت عرب سے یا قواعد نحویہ سے ہو سکتی ہوں ان پر الگ الگ ایک نظر غائر ڈالکر دیکھا جائے کہ ان کا مفہوم کسی آئندہ نبی کی نبوت کا مانع ہے یا نہیں ؟ اور اگر مانع ہے تو کس قسم کے نبی پر آیا تشریعی پر یا غیر تشریعی پر ؟ پھر تابع شریعت محمدیہ پر یا غیر تابع شریعت محمدیہ پر پھر مستقل نبی پر یا ظلی اور بروزی نبی پر تاکہ جن معانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوتی ہو۔ انکو لے لیا جائے اور جن سے فضیلت کا پہلو نہ نکلتا ہو۔ انکو ترک کر دیا جائے۔ چونکہ یہ آیت کریمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں وارد ہے اسلئے اس آیت کے معنی تحقیق کرنے میں تین اصول کا لحاظ ازبس ضروری ہے

(۱) ان معنوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہو۔

(۲) وہ معنی کسی نص صریح قطعی الدلالۃ قرآنی کے مخالف نہ ہوں۔

(۳) لغت عرب اس معنی کا موئید ہو۔

پھر ان اصول ثلاثہ کی پابندی سے اگر کوئی معنی ثابت ہو جائیں تو ان کی نسبت معنی جدید یا خلاف جمہور مفسرین کا عذر اٹھانا درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیتوں کے معانی غیر محدود ہیں جو اپنے اپنے وقت پر کھلتے رہتے ہیں۔ ولو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا۔

تحقیق معنی خاتم

دراصل لفظ خاتم بفتح التاء ما یوضع علی الطینۃ کو کہتے ہیں یعنی کندہ کی ہوئی چیز جو خاص قسم کی مٹی پر لگائی جاتی ہے جس کی تشریح آئندہ کیجائے گی چونکہ وہ کندہ کی

ہوئی چیز اولاً انگشتری میں نصب کی گئی تھی اسلئے انگشتری کو مجازاً باعتبار تسمیۃ الظرف باسم المظروف ۔مظروف کے نام پر ظرف کا نام رکھکر مجازاً ظرف کو خاتم کہنے لگے
چنانچہ لسان العرب اور تاج العروس میں ہے الخاتم بفتح التاء مایوضع علی الطینۃ وھو اسم مثل العالم ومن المجاز لبس الخاتم وھو حلی للاصبع یعنی خاتم حرف التاء المثناۃ الفوقانیہ کی زبر سے وہ چیز ہے جو خاص قسم کی مٹی پر لگائی جاتی ہے اور وہ مثل عالم بفتح اللام کے اسم اور مجازاً انگلی کے زیور کی نسبت لبس الخاتم کہا جاتا ہے اور انگوٹھی کو کیوں خاتم کہا جاتا ہے ۔اس کی نسبت ابن سیدہ لکھتا ہے ھو من الحلی کانہ اول وھلۃ ختم بہ فدخل بذلک فی باب الطابع ثم کثر استعمالہ لذلک وان اعد الخاتم لغیر الطبع یعنی وہ ایک زیور ہے گو پہلے پہل اسی سے مہر لگائی گئی ہے اسی وجہ سے وہ الطبع یعنی چھاپنے کے باب میں آگئی ۔ ہندی میں بھی اسی وجہ سے انگوٹھی کو چھاپ کہتے ہیں۔ حتی کہ کثرت استعمال سے اب انگوٹھی کو خاتم کہنے لگ گئے ہیں اگرچہ وہ مہر لگانے کے سوا محض زینت کے لئے بنائی جائے جیسے خاتم ذھب وخاتم فضۃ (سونے کی مہر چاندی کی مہر) بعض اہل لغت کہتے ہیں الخاتم حلقۃ ذات فص من غیرہا فان لم یکن لہا فص فہی فتخۃ ۔خاتم ایسے گول چھلے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کا نگینہ لگا ہو اور اگر اس میں نگینہ نہ ہو تو اسکو عربی میں فتخہ کہتے ہیں۔ صراح میں ہے فتخہ بالفتح انگشتری نقرۂ بے نگینہ فاذا کان فیہ فص فہو خاتم ۔ بعد مرور دہور انگوٹھی سے بھی گذر کر خاتم کا اطلاق اس نقش خاتم پر ہونے لگا جو کاغذ یا کسی چیز پر مہر کے لگنے سے پیدا ہوتا ہے وقد یطلق علی اثر الناشی عنہ علی الکتب ۔لان الختم وھو التاثیر فی شیئ یقال ختم الکتب وعلی الکتب کیونکہ ختم کے معنے دراصل کسی شے میں تاثیر کرنے کے ہیں محاورہ ہے اسنے کتاب ختم کی اور کتاب پر مہر کی۔

ان معنوں کے سوا کبھی لفظ خاتم ۔ختام یعنے سرا ، دہان بند ظروف کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے ابن خلدون لکھتا ہے ویطلق علی السداد الذی یسد بہ الاوانی اسی لئے سے بعض قاریوں نے یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک میں بجائے ختامہ مسک کے خاتمہ مسک پڑھا ہے یعنے اسکی مہر مسک کی ہے۔

اور کبھی خاتم کے لفظ کا اطلاق علامت کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔ اور کبھی لفظ خاتم نہایت اور تمام کے معنے بھی دیتا ہے چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے۔ وقد یطلق علی النہایۃ والتمام۔

اب ان اعتبارات سے لفظ خاتم بالفتح کا اطلاق پانچ معنوں میں ہوتا ہے۔

(۱) خاتم بالفتح مایوضع علی الطینہ یعنی کندہ کیا ہُوا پتھر یا نگینہ

(۲) خاتم بالفتح بمعنی حلیہ معروف یعنے انگشتری

(۳) خاتم بالفتح اثر الناشی عن الخاتم علی الکتب یعنی مُہر کا نقش جو کاغذ وغیرہ پر ثبت ہوجاتا ہے

(۴) خاتم بالفتح بمعنی علامت

(۵) خاتم بالفتح بمعنے نہایت و تمام

اور خاتم بالکسر کی بھی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) خاتم بالکسر بمعنے مُہر مثل خاتم بالفتح

(۲) خاتم بالکسر اسم فاعل

(۳) خاتم بالکسر بمعنے صاحب الختم یعنے خداوند مُہر

(۴) خاتم بالکسر بمعنے مختوم

(۵) خاتم بالکسر بمعنی خاتمہ

پس بوجوہ ان اعتبارات کے خاتم النبیین کی آیت پر دس طرح سے بحث ہوسکتی ہے۔ (۱) خاتم بالفتح مایوضع علی الطینہ یعنی کندہ کیا ہُوا پتھر یا نگینہ۔ حسب تصریح کتب لغت قاموس ولسان العرب و تاج العروس وغیرہ خاتم دراصل مایوضع علی الطینہ ہے۔ اور مایوضع علی الطینہ وہ کندہ کی ہوئی چیز ہے جو خاص قسم کی رنگین اور ملائم اور تر مٹی پر لگائی جاتی ہے۔ ابتدائے ایام میں کہ ابھی فن مہرکنی اور حکاکی میں اسقدر ترقی نہیں ہوئی تھی اور خط معکوس بھی ایجاد نہیں ہوا تھا لوگ لوہے یا سونے چاندی کے پترے پر جس کو عربی میں ورق کہتے تھے یا پتھر کے ٹکڑے پر جس کو فص یعنی نگینہ کہتے تھے بخط مستقیم یعنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی طرف لوہے کے قلم سے یا ہیرے کی نوک سے نام کندہ کرکے اس پترے یا پتھر کے نگینہ کو گیرو یا اسی قسم کی رنگین ملائم تر مٹی پر لگا دیتے تھے جس پر وہ کندہ کیا ہُوا نقش بخط معکوس مرتسم ہوجاتا

اسکو عربی میں لفظ طبع سے تعبیر کرتے جس کو ہندی میں چھاپنا کہتے ہیں جب اس رنگین مٹی پر الٹے حروف منتقش ہوجاتے تو اس مٹی کو اٹھا کر کاغذ پر جما دیتے اور اس کاغذ پہ الٹے حروف کا سیدھا نقش بیٹھ جاتا اور کندہ کئے ہوئے نام کا نقش کاغذ پر دھندلا یا صاف پڑھنے میں آجاتا۔ جس طرح لیتھوگراف میں سیدھی کاپی لکھ کر پتھر پر جما دیتے ہیں تو الٹے حروف منتقش ہوجاتے ہیں پھر ان پر جب کاغذ جما کر اٹھایا جاتا ہو تو کاغذ پر سیدھے حروف چھپتے ہیں۔ الغرض اس کندہ پترے یا نگینہ کو جو گیرو مٹی وغیرہ پر لگایا جاتا تھا خاتم بمعنے ما یوضع علی الطینہ اور اس گیرو مٹی کو الختم اور ختام اور طین الختم[1] اور طین مختوم کہتے تھے چنانچہ اہل طب میں آجتک اسی نام سے مشہور ہے۔

جس طرح اس کندہ کئے ہوئے پترے یا نگینہ کے مٹی پر لگانے کو اہل عرب لفظ طبع سے تعبیر کرتے تھے اسی طرح گیرو مٹی کے کاغذ پر رکھنے کو لفظ ختم سے تعبیر کرتے تھے دیکھو عرب میں محاورہ ہے طان فلان کتابہ ای ختمہ بالطین۔ یعنی فلاں شخص نے اپنے مکتوب پر مٹی یعنی مہر لگائی ہے صراح میں ہے یقال علیہا ختمٌ بالتحریك ای طینۃ مختوم یعنی کہا جاتا ہے کہ اس پر ختم ہے یعنی مہر کی ہوئی مٹی ہے۔

چونکہ اس ورق یا نگینہ کو گیرو مٹی پر لگا کر اس گیرو مٹی کو کاغذ پر لگایا جاتا تھا اسلئے اکثر حروف کے نقوش اچھی طرح سے نمودار نہیں ہوتے تھے علی الخصوص جب وہ ورق یا فص مرور ہور سے فرسودہ ہوکر اسکے حروف کثرت استعمال سے قریب المحو ہوجاتے تھے اور اسکا چھاپہ خراب ہوجاتا تھا پھر اس چھاپہ کا چھاپہ کاغذ پر اور بھی مشکل سے پڑھنے میں آتا تھا۔ اسلئے اس ورق یا فص کو دوبارہ کندہ کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی جیسے زبر تجدّ متونہا اقلامہا سے ظاہر ہے۔

[1] ابن خلدون لکھتا ہے وکان فی الدول القدیمۃ یختم علی مکان اللصق بخاتم منقوش قد غمس فی مداف من الطین معد لذلك صبغہ احمر فیرتسم ذلك النقش علیہ وکان فی الطین یعرف بطین الختم فیظہر انہ مخصوص بہا۔ پہلی سلطنتوں میں کندہ کی ہوئی مہر کو ترکی ہوئی سرخ رنگ مٹی جو اسی کام کے واسطے پہلے ہی سے تیار کرکے رکھی جاتی تھی غوطہ دیکر کاغذ کے چسپان ہونے کی جگہ پر لگا دیتے تھے۔ ا مہر کا نقش اس پر مرتسم ہوجاتا تھا اور یہ مٹی طین الختم یعنی مہر کرنے کی مٹی کے نام سے مشہور اور معروف تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مٹی اسی کام کے واسطے مخصوص تھی۔ عربی میں مثل مشہور ہے اختم بالطین ما دام طباً جتک مٹی تر ہے اس

ان مشکلات کے رفع کرنے کے لئے **خط معکوس** ایجاد کیا گیا اور اس ورق یا فص کو الٹا
کندہ کرنا شروع کیا تاکہ گیرو پرچانے اور پھر گیرو کو کاغذ پر دھرنے کی تکلیف سے نجات حاصل ہو اور
گیرو پرچانے کے بلاواسطہ خود اسی ورق یا فص کو گیرو میں ڈبوکر کاغذ پر لگا دیا جائے اور حروف کا سیدھا
نقش کاغذ پر بیٹھ جائے جب وہ ورق یا فص معکوس کندہ کیا جانا رواج پا گیا جیسا کہ ابن خلدون
لکھتا ہے قد يقراء من الجهة اليسرى اذا كان النقش على الاستقامة من الجهة اليمنى
وقد يقراء من الجهة اليمنى اذا كان النقش من الجهة اليسرى - یعنی کبھی نگینہ پتر بائیں ہاتھ کیطرف سے
پڑھا جاتا ہے جبکہ کاغذ پر اسکا نقش داہنے ہاتھ کیطرف سے استقامت پر ہوتا ہے اور کبھی داہنے ہاتھ کی طرف سے پڑھا جاتا ہے جبکہ
کاغذ پر اسکا نقش بائیں ہاتھ کی طرف سے غیر استقامت پر ہوتا ہے۔

تو پھر وہ فص یا ورق بلاواسطہ خود کاغذ پر لگانے لگے اور اسکی تعریف ما يختم به ہو گئی
اور ختم بجائے طبع اور طبع بجائے ختم مترادف فی المعنی استعمال ہونے لگ گیا ملحۃ الجرمی لکھتا
ہے کان قرادی زورہ طبعتهما بطين من الجولان كتاب اعجم[1] یعنے اسکے پستان کے دونوں
سرے ایسے ہیں کہ گویا کاتبان عجم نے مقام جولان کی مٹی سے دو مُہریں لگائی ہیں۔

دیکھو جب مُہرکن مُہر کندہ کرکے نقش کے جیّد ہونے کے امتحان کی غرض سے مُہر کو موم پر لگاتا
ہے تو طبعت على الشمع اور ختمت على الشمع دونوں طرح سے کہہ جاتا ہے۔

صاحب صراح لکھتا ہے الطبع مہر کردن بر نامہ لسان العرب اور تاج العروس و تاج المصادر
بیہقی بھی اسکے مؤید ہیں اور قرآن کریم میں بھی خدا تعالے نے ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم کی
تغییر دوسری آیت اولئك الذين طبع الله على قلوبهم وسمعهم میں لفظ طبع کے ساتھ بیان
فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے خاتم بفتح الفوقانیہ اور طابع بفتح الموحدہ دونوں مترادف فی المعنی ہیں
صاحب صراح لکھتا ہے الطابع بفتح البا انگشتریم۔

پس جبکہ ثابت ہو گیا کہ خاتم بالفتح اور طابع بالفتح دونوں متحد المعنی اور مرادف یکدیگر

---

[1] يصفه بالقوة والشجاعة شبه حلمتى ثديه بقرادين مصبوغتين من طين الجولان ختمهما كتاب الروم او الفرس ۱۲ اسکی قوت اور شجاعت کی تعریف کرتا ہے اسکے دونوں پستان کے سروں کو موضع جولان کی مٹی سے رنگے ہوئے دو چیچڑوں سے تشبیہ دیتا ہے جنپر نویسندگان روم نے مہر لگائی ہے۔

ہیں اور بجائے ایکدوسرے کے استعمال ہوتے ہیں اور طابع کے معنے مہر کے سوا کچھ نہیں تمام اور نہایت یا آخر کا اسکے معنے میں دخل نہیں پس خاتم یعنے ما یوضع علی الطینہ یا ما یختم بہ یا ما یطبع بہ کے معنی کسی امر کی انتہا اور آخر پر دال نہیں۔

کیونکہ ما یوضع علی الطینہ، ما یختم بہ، یا ما یطبع بہ کی علت غائی اور غرض اخذ محض طبع علی الکتب ہے یعنی ما یطبع بہ کسی نوشتہ پر مہر کرنے کے لئے کندہ کیا جاتا ہے نہ کسی چیز کے انجام و انتہا کے لئے۔ جب ما یطبع بہ کے مفہوم میں نہایت و تمام کو بھی دخل نہیں۔ کیونکہ ما یختم بہ الختم مہر کردن کے مصدر سے ماخوذ ہے نہ الختم بپایان بردن سے۔

صحیحین کی اس حدیث سے کہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الی قیصر فقیل لہ ان العجم لا یقبلون کتابا الا ان یکون مختوما فاخذ خاتما ونقش فیہ محمد رسول اللہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا عرض کی گئی اہل عجم مہر کے سوا کسی نوشتہ کو قبول نہیں کرتے آپنے مہر لیکر محمد رسول اللہ اسمیں نقش کیا اس سے صاف ثابت ہے کہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے محض مکاتیب پر مہر ثبت کرنے کے لئے مہر کندہ کرائی تھی تاکہ مکتوب مصدق سمجھ کر قبول کیا جائے نہ مکاتیب کے آخر و انتہا کے لئے کیونکہ مکتوب کا آخر بغیر مہر کے بھی ہو سکتا ہے یعنے مہر کے بغیر مکتوب نہایت کو پہنچ سکتا ہے اور بغیر مہر کے خط پورا سمجھا جاتا ہے مگر تصدیق بغیر مہر کے نہیں ہو سکتی اس روشنی کے زمانہ میں انگوٹھے کا نشان مہر کا کام دیتا ہے۔

اسلئے آیت خاتم النبیین جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر انبیاء ہونے کے معنوں پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس صورت میں ما یوضع علی الطینہ یا ما یختم بہ یا ما یطبع بہ یعنی ورق منقوش یا فص محکوک کے ساتھ تشبیہ دینے میں بجز تصدیق کے اور کوئی وجہ شبہ ہو ہی نہیں سکتی اس صورت میں خاتم النبیین کے معنے ما یختم بہ یعنی ما یطبع بہ علی کتاب نبوت النبیین ہونگے یعنے آپکی ذات بابرکات مثل اس منقوش نگینہ کی ہے جس کے ساتھ انبیاء اللہ کی کتاب نبوت پر مہر تصدیق کیجاتی ہے یا کی گئی ہے اور بغیر آپکی تصدیق کے ان کی کتاب نبوت مصدق نہیں سمجھی جاتی کہ ان لا یقبلون کتابا الا ان یکون مختوما بمحمد رسول اللہ۔ جیسا کہ حدیث صحیحین سے ظاہر ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب آیت کریمہ خاتم النبیین آخر النبیین ہونے کے معنوں پر دلالت نہیں کرتی اور کسی آئندہ نبی کی عدم نبوت پر ہرگز دال نہیں ہو سکتی بشرطیکہ وہ نبی جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر نقش نگین ہو پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نقش نگین کے نیچے ہیں۔ بیشک و ریب نبی برحق ہیں۔

(دوم) خاتم بالفتح بمعنی حلیہ معروف یعنے انگشتری

عربی میں خاتم فارسی میں انگشترین ہندی میں انگوٹھی اور چھاپ کہتے ہیں حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل فی خاتم الحدید مالی اریٰ علیک حلیۃ اھل النار لانہ کان من زی الکفار الذین ھم اھل النار۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے جس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں اہل دوزخ کا زیور تجھکو پہنے ہوئے دیکھتا ہوں کیونکہ لوہے کی انگوٹھی کا پہننا کفار کا پیرایہ ہے جو اہل دوزخ ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التختم بالذھب وکان خاتم رسول اللہ من فضۃ۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے مردوں کو منع فرمایا ہے اور آنجناب کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔

دراصل تو خاتم مایوضع علی الطینۃ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن باعتبار تسمیۃ الظرف باسم المظروف انگوٹھی کو بھی مجازاً خاتم کہتے ہیں اور اسکی غرض یا تو ختم علی الکتب ہوتی ہے یا محض زینت کان الخاتم یطلق علی الالۃ التی تجعل فی الاصبع للزینۃ المحضۃ او لختم الکتب۔

اور ختم علی الکتب کی غرض تو تصدیق کتب ہوتی ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے اب ہی غرض زینت اس صورت میں آیت خاتم النبیین کے معنے حلیۃ النبیین اور زینت النبیین کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کیونکہ جب خاتم کے معنی حلیہ معروف کے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اسکے ساتھ تشبیہ دی جائے تو وجہ شبہ بغیر زینت کے اور کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا اسلئے خاتم النبیین کے معنے زینت النبیین ہی کے لئے جا سکتے ہیں چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے

ومعنی الثانیۃ (ای بفتحہا) انہ صار کالخاتم الذی یختمون بہ ویتزینون بکونہ منہم
یعنی خاتم بالفتح کے ساتھ یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس مثل اس خاتم
کے ہے جس کے ساتھ انپر مُہر کی گئی ہے اور وہ انبیار حضور علیہ السلام کے وجود مقدس کو اپنے
گروہ میں ہونے سے باعث زینت سمجھتے ہیں۔ اکثر اہل تشاع نے بھی یہی معنی لئے ہیں۔ چنانچہ
مجمع البحرین میں ہے محمد خاتم النبییّن یجوز فیہ فتح التاء وکسرھا فالفتح بمعنی الزینۃ
ماخوذ من الخاتم الذی ھو زینہ للابسہ یعنی محمد خاتم النبیین ہی اسمیں حرف التار کی
فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور فتح تار کے ساتھ زینت کے معنی میں ہے اور یہ ماخوذ ہی انگشتری
سے جو اپنے پہننے والے کے لئے باعث زینت ہوتی ہے۔

یا یوں کہو کہ چونکہ خاتم ۔ تاج ۔ علم ۔ عصا ۔ مظلہ ۔ شارات الملک یعنی ظاہری سلطنت کے
سامان ۔ عزت اور شاہی زیورات کہلاتے ہیں اور منجملہ ان کے خاتم اعلیٰ شارۃ الملک سمجھا جاتا ہے
کیونکہ اس سے ممالک محروسہ زیر نگین ہوتے ہیں اور اسی سے انتظام امور سلطنت کیا جاتا ہے
جیساکہ ابن خلدون لکھتا ہے ویلبسہ السلطان شارۃ فی عرفہم خدا تعالےٰ نے اسی طرح سے
خاتم کو سلطنت باطنی کا اعلیٰ شارہ قرار دیکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات
کو مجازاً خاتم یعنے شارہ سلطنت انبیار بیان فرمایا ہے یعنی جس طرح سے خاتم معروف شارہ ملک و
سلطنت ظاہریہ سلاطین ہوتی ہے اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شارہ
سلطنت باطنیہ انبیاے کرام علیہم السلام ہے اس صورت میں خاتم النبیین کے معنی ہونگے۔
شارۃ النبییّن یعنے حلیہ سلطنت انبیار۔

یا یوں کہو کہ خاتم النبییّن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اعزازی خطاب ہے زمانہ جاہلیت
اور زمانہ اسلام میں ایسے ایسے عزت کے خطاب اور لقب عرب میں شائع و ذائع تھے جیسے
ماء السماء ۔ ذو الاکتاف وغیرہ

احادیث سے بھی ثابت ہے کہ خود جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض
بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اعزازی خطاب ارشاد فرمائے ہیں حضرت علی کو یعسوب العرب
اور ذو البرقہ اور حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عتاب کو یعسوب القریش

کا خطاب دیا تھا۔
دیکھو قرآن کریم میں خدا تعالٰے نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کو صاحب الحوت اور ذوالنون کے خطابات سے یاد فرمایا ہے جیسا کہ آیت ولا تکن کصاحب الحوت اور وذ النون اذ ذھب مغاضبا سے ہویدا ہے۔
حضرت موسٰی علیہ السلام کلیم اللہ کے خطاب سے اور حضرت عیسٰے علیہ السلام روح اللہ کے لقب سے تمام اسلامی دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔
ظاہر ہے کہ خدا تعالٰے ہمیشہ لوگوں سے انہیں کے محاورات اور شائستہ الف و عادات کے مطابق تکلم فرماتا ہے پس جسطرح ایک ظاہری بادشاہ اپنے معززین بارگاہ کو انکی حسن خدمت اور عمدہ کارگذاری کے صلہ میں ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ان کے اظہار عزت کے لئے معزز خطابات دیتا ہے اسی طرح سے اس ذوالعرش المجید فعال لما یرید شہنشاہ علی الاطلاق جلت آلاؤہ نے اپنے حبیب پاک کو خاتم النّبیّین کا خطاب اعزازی عطا فرمایا ہے۔
قرآن کریم کے نزول سے پہلے سلطنت اور قوم کی طرف سے کسی ذی شان انسان کو معزز خطاب یا لقب ملنے کا دستور نہایت قلیل تھا مگر اب قرآن کریم کے نزول کے بعد لوگوں کے لئے انجام دہی حسن خدمات اور اعلیٰ حصول لیاقت کے صلہ میں اپنی اپنی گورنمنٹ اور اپنی اپنی قوم کی جانب سے اعزازی خطابات اور اعلیٰ سے اعلیٰ القاب حاصل کرنیکا زمانہ قریب آ رہا تھا پس پیشتر اسکے کہ کوئی ذو الیمینین اور کوئی یمین الدولہ اور کوئی شمس الائمہ اور کوئی سراج الائمہ اور کوئی محی السنہ اور کوئی تاج العلماء اور کوئی طاوس الفقراء اور کوئی علم الہدیٰ اور کوئی شمس المعالی اور کوئی ماہر العلوم اور کوئی بالغ العلوم اور کوئی حجۃ الاسلام اور کوئی فخر الاسلام وغیرہ کا خطاب پائے اس علیم و خبیر نے اس خاص الخاص مقرب بارگاہ عزت کو اسکی اعلیٰ خدمات اشاعت توحید کے صلہ میں جو دیگر اولوالعزم انبیاءے کرام علیہم السلام سے اس حد تک انجام کو نہ پہنچ سکی تھیں اظہاراً للعلو شانہ۔ خاتم النّبیّین کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ تاکہ اس سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا کے لوگوں پر دیگر انبیاءے کرام علیہم السلام سے برتر اور فائق تر ثابت ہو۔

اب ظاہر ہے کہ لفظ خاتم بمعنے حلیہ معروف نہایت اور تمام اور آخر و انجام کے معنی پر
دلالت نہیں کرتا پس جبکہ مستعار منہ آخر اور انجام کے معنے پر دال نہیں تو مستعار لہ کیونکر نہایت
اور تمام کے معنے دے سکتا ہے کیونکہ اخذ خاتم کی غرض جیسا کہ سابقاً تحریر ہو چکا ہے یا تو
محض زینت ہے یا کسی نوشتہ پر مہر کرنا اسلئے خاتم النبیّین کا مفہوم باعتبار اس معنی
کے کسی آئندہ نبی کی نبوت سے مانع نہیں کہ جناب جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی نبوت کا مانع سمجھا جائے۔

(سوم) خاتم بالفتح اثر الناشی عن الخاتم علی الکتاب یعنی وہ نشان جو مہر لگانے سے کاغذ پر نمودار ہو جاتا ہے

ابن خلدون لکھتا ہے وقد یطلق لفظ الخاتم علی اثر الناشی عنہ یعنی خاتم کا لفظ کبھی
اس نشان پر بھی بولا جاتا ہے جو مہر کے لگانے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً وثیقہ وغیرہ پر مفتی اور
قاضی اور بادشاہ کی مہر کا نشان ہو تو کہا جاتا ہے ھذا خاتم المفتی وھذا خاتم القاضی
وھذا خاتم السلطان۔ اب اس زمانہ میں بجائے مہر کے انگوٹھے کا نشان تمسکوں اور
اقرار ناموں اور وثیقوں پر لگایا جاتا ہے فارسی میں مہر کے نشان کو نقش نگین کہتے ہیں۔

اس نقش نگین اثر الناشی عن الخاتم یا انگوٹھے کے نشان یا دستخط کی غرض متحد ہے
اور وہ غرض یا تو کسی امر کی تصدیق یا کسی امر کی صحت یا حفاظت مافی الظرف ہوا کرتی ہے
ان اغراض ثلاثہ کے سوا چوتھی غرض کوئی ثابت نہیں ہوتی

(۱) کسی وثیقہ پر مہر یا انگوٹھے کا نشان یا دستخط محض اسلئے کیا جاتا ہے کہ اسکا مضمون
مصدق ہے اوتیت جوامع الکلم وخواتمہ کی نسبت مجمع بحار الانوار میں ہے حجۃ علی سارہا
ومصدق لہا۔ مہر شہادت بھی اسی قبیل سے ہے مفردات میں امام راغب لکھتے ہیں وقال
بعضہم ختمہ شہادۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ لا یومن۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ ختمہ
کے معنے اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا المغرب فی ترتیب المعرب
میں ہے ختم الشی وضع علیہ الخاتم ومنہ ختم الشہادۃ ذلک علی ما ذکر الحلوانی

ان الشاهد كان اذا كتب اسمه فی الصك جعل اسمه تحت رصاص مكتوباً ووضع

عليه نقش خاتمه حتی لا يجری فيه التزوير والتبديل۔ ختم الشی کے معنی

اسپر مہر لگانا ہے اور اسی سے ختم الشهادة ماخوذ ہے کہ اسنے گواہی پر مہر لگائی اس کو

حلوانی نے بیان کیا ہے کہ گواہ جب چک میں اپنا نام لکھا کرتا تھا تو اپنے نام کو قلعی کے

ورق کے نیچے چھپا دیتا تھا اور اس قلعی کے ورق پر اپنی مہر کا نقش لگا دیتا تھا۔ تاکہ بدلنے

سے اور جعلسازی سے محفوظ رہے۔ (۳) مکتوب پر اسواسطے مہر لگائی جاتی ہو کہ اسکا مضمون صحیح ہے (۳)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی غرض کے لئے ایک چاندی کی انگوٹھی کے تپرے

پر مہر کندہ کرائی تھی وقد ثبت فی الصحيحين ان النبی صلی الله عليه وسلم اراد ان

يكتب الى قيصر فقيل له ان العجم لا يقبلون الكتاب الا ان يكون مختوما فاخذ خاتماً

ونقش فيه محمد رسول الله قال البخاری جعل فيه ثلاث كلمات فی ثلاثة اسطر

وختم به وقال لا ينقش احد مثله قال وتختم به ابو بكر وعمر وعثمان ثم سقط من

يد عثمان فی بئر اريس وكانت قليلة الماء فلم يدرك قعرها بعدهٗ فاغتم عثمان

وتطير منه وصنع اخر على مثله۔ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر کی طرف خط

لکھنے کا ارادہ کیا عرض کی گئی اہل عجم مہر کے بغیر کسی خط کو قبول نہیں کرتے حضرت نے چاندی

کی انگوٹھی بنوا کر اسمیں محمد رسول اللہ کا نقش کندہ کرایا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ یہ تین کلمات تین سطروں میں تھے اور آنجناب کی طرح خوبصورتی سے کوئی مہر

نہیں لگا سکتا تھا۔ حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر اور پھر

حضرت عثمان اس انگوٹھی کو پہنا کرتے تھے۔ ناگاہ حضرت عثمان کے ہاتھ سے وہ خاتم مبارک

اریس کوئیں میں گر گئی اس کوئیں کا پانی تہ نشین تھا مگر اس خاتم مبارک کے گرنے سے

اسقدر اس میں پانی ہو گیا کہ پھر اسکی تہ مشکل سے دستیاب ہونے لگی حضرت عثمان نے خاتم

مبارک کے گم ہونے سے نہایت غم کیا اور اسکے گم ہونے کو فال بد سمجھا اور پھر آپنے ویسی ہی اور

انگوٹھی بنوائی۔ اس صورت میں خاتم النبیین کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی جنکو جناب امیر المومنین

علی ابن ابیطالب رضی اللہ تعالے عنہ نے بیان فرمایا ہے ولم يجعل لنبی نبوة حتی

اخذ خاتماً من محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلذالک سمی خاتم النبیین یعنے کسی نبی کی نبوت جاری نہیں ہوئی جب تک کہ اس نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مُہر حاصل نہیں کی اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم النبیّین ہو گیا۔

اب اس وجہ تسمیہ سے جو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بیان فرمائی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیّین میں خاتم کے معنے نقش ناشی عن الخاتم کے ہیں یعنی کسی نبی کی نبوت اسوقت تک جاری نہیں ہوئی جب تک اس نبی نے حضور علیہ السلام سے روحانی طور پر فیض حاصل نہیں کر لیا۔ یا بطور مجاز اپنے فرمان نبوت پر جو جناب الٰہی سے اس نبی کو عطا ہوًا ہے حضور علیہ السلام سے مُہر مصادقت نہیں کرالی۔ مگر اس مفہوم سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ اب کوئی نبی آنجناب کے بعد آپ کے نقش نگین کے ماتحت مبعوث نہیں ہوگا۔

خیر یہ تو ایک روحانی تاویل ہے جس کو اہل کشوف ہی خوب جانتے ہیں ظاہر بین اسکو کیا جانیں لیکن ظاہری طور پر بھی تمام انبیاء سابقین آنجناب کے نقش نگین کے نیچے ہیں کیونکہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قوم بنی اسرائیل اور دیگر اقوام کے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق نہ فرماتے تو اقوام غیر مثلاً باشندگان عرب۔ ترک دیلم چین۔ تاتار۔ فارس۔ ہند حبش وغیرہم نے جو مشرف باسلام ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اثر سے ان انبیاء کی نبوت کو تسلیم کیا ہے اور انپر ایمان لانے پر مجبور ہوئے ہیں کیونکر تسلیم کرتے۔

بیشک وہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوم کے لئے جاؤا بالبیّنات تھے۔ لیکن ان کی بعثت کافۃ للناس نہیں تھی بلکہ اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی قوم کے لئے تھی پس ان کی قوم کے بغیر دوسری قوم کے لوگ کیوں انکو تسلیم کرتے اور ان کو خدا کا مرسل مانتے اور کیوں انپر ایمان لاتے اور کیوں آئندہ ایمان لاویں۔

انبیاء بنی اسرائیل بنی اسرائیل کے لئے تھے نہ بنی اسمٰعیل کے لئے نہ قوم قبط کے لئے پھر بنی اسمٰعیل کیوں انپر ایمان لاویں اور بنی یافث کیوں انکو تسلیم کریں یہ تو خاتم النبیّین کی تصدیق کا اثر ہے کہ آنجناب نے ان کی نبوت پر مہر تصدیق فرمائی ہے اور مختلف اقوام کے لوگ مشرف باسلام ہو کر آمنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہٖ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان

انبیائے کرام پر بحکم لا نفرق بین احد من رسلہ ویسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی ذات کو لے لو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نبوت پر مہر تصدیق نہ فرماتے تو آج دنیا میں کون ان کو نبی مانتا۔ یونی ٹیرین نے بھی اسلامی تعلیم ہی کے اثر سے اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی انکو نبی مانا ہے۔

ہنود اور بدھ مذہب کے پیروں کو اور پارسی مذہب والوں کو تو حضرت عیسے علیہ السلام کی ذات سے سروکار ہی نہیں اور نہ ان کی نبوت کافۃ للناس تھی کہ وہ ان پر ایمان لاتے اور ایمان لانے کیلئے مکلف ہوتے کیونکہ وہ تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے اور رسولا الی بنی اسرائیل تھے

اب رہے نصاریٰ حضرت عیسے علیہ السلام کو مانتے تو ہیں مگر نہ ماننے کے برابر کہ خدا اور خدا کا بیٹا اعتقاد کرتے ہیں نبی یا رسول یا پیغمبر کا لقب ان کی ذات کے لئے تجویز کرنا گناہ عظیم خیال کرتے ہیں۔

اب بتائیے کہ ہندوستان کی بعض ہندو قوموں نے اسلام لاکر اور بعض پیروان زردشت نے مسلمان ہوکر اور بعض چین کے بدھ مذہب والوں نے مشرف باسلام ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اللہ تسلیم کیا ہے یہ کس کی تصدیق کی برکت ہے۔ اور کس نے ان کی نبوت پر مہر کی ہے۔ کہ یہ اقوام مختلفہ کے لوگ حضرت عیسے علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی نبوت پر ایمان رکھنے کے لئے مکلف ہیں۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ اپنی قوم کے بعض اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو انبیاء نہیں تسلیم کرتے جبکہ خود ان کی قوم کے لوگ ہی انکو نبی اللہ نہیں مانتے تو غیر قوموں کے لوگ کیونکر انکو نبی اللہ مانتے اور کس دلیل سے اور کس ذریعہ سے انکو نبی اللہ مانیں کیونکہ ان کی نبوت کا زمانہ گذر چکا ہے اب ان کے بینات دنیا کی نظروں کے سامنے موجود نہیں کہ اقوام غیر انکو دیکھ کر ان پر ایمان لائیں اور تاریخ اقوام غیر بھی ان کی نبوت کے متعلق شہادت نہیں دیتی اور خود ان کی قوم بھی ان کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتی۔

مثلاً یہود و نصاریٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک عظیم الشان بادشاہ تو مانتے ہیں

مگر نبی اللہ نہیں مانتے اب ہندو۔ بدھ۔ پارسی وغیرہ اقوام نے جو مسلمان ہو کر ان کو نبی اللہ مانا ہے کس دلیل اور کس ذریعہ اور کس کی تعلیم سے مانا ہے کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بینات ان کے سامنے موجود تھے جسکی وجہ سے وہ ان کو نبی اللہ ماننے پر مجبور ہوتے یا یہود و نصاریٰ انکو نبی اللہ کہتے ہیں کہ جن کی دیکھا دیکھی وہ بیچارے ان کو نبی اللہ تسلیم کرتے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی حضرت سلیمان کو نبی نہیں بیان کیا کہ لوگ ان کے حکم سے جناب سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاتے یا ایمان لانے پر مکلف ہوں۔ اہل ہنود یا اہل فارس یا بدھ مذہب کی تاریخ میں ان کی نبوت کے متعلق ایک حرف تک موجود نہیں پھر کس کی تعلیم کے اثر سے حضرت سلیمان کو نبی اللہ ماننے پر مجبور ہوں۔

یہ تو خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی برکت ہے کہ مختلف اسلامی قومیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کو سچا نبی مانتی ہیں سید ولد آدم ؑ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر مہر تصدیق فرما کر دنیا کے اقوام مختلفہ کو اسلام کے جھنڈے تلے جگہ دیکر ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کو منوایا ہے۔

اسی طرح بعض انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہیں کہ ایک قوم تو ان کو نبی اللہ مانتی ہے مگر دوسری قوم ان کو یہ لقب دینا ناپسند کرتی ہے مگر سید ولد آدم علیہ السلام نے ان انبیاء کرام کی نبوت پر مہر تصدیق فرما کر نبی اللہ ماننے والی قوم کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وجود ہے کہ باوجود اسکے کہ وہ قوم بنی اسرائیل میں سے تھے مگر یہودی ان کو نبی اللہ نہیں مانتے اور نصاریٰ ان کو نبی اللہ جانتے ہیں حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت پر مہر تصدیق فرما کر فیصلہ بحق نصاریٰ دیا ہے۔

پس یہ تصدیق انبیاء ہے جس کی وجہ سے سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کو درگاہ رب العزت سے خاتم النبیین یعنی مصدق النبیین کا خطاب[1] عطا ہوا ہے۔

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپکی مہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی جب وہ مہر لگجاتی ہے تو کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح آنحضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے الحکم۔

کیا ہی حق ناشناس اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق اور آپ کے منصب کو غصب کرنے والے وہ مسلمان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ گذشتہ انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے نیچے نہیں!۔

چونکہ غیر قوم کے معزز رکن اور ممتاز فرد کی تصدیق بہ نسبت ہمقوم اور شریک خاندان کے دنیا کی نگاہ میں زیادہ قابل وقعت اور شائبہ غرض سے بعید ہوتی ہے۔ اس لئے اس حکیم علی الاطلاق جلت آلاؤہ نے انبیاء بنی اسرائیل کی تصدیق کے لئے (جیسا کہ تورات کے اس درس میں ہے۔ کہ خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو) اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تیرے لئے کے لفظ کے یہ معنی ہیں کہ اے بنی اسرائیل تیرے انبیاء کی تصدیق کے لئے اور تیری ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ موسیٰ جیسا نبی صاحب شریعت برپا کرے گا" بنی اسمٰعیل کے چمکتے ہوئے خاندان بنی ہاشم کے دریتیم جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث بالرسالہ فرمایا۔ تاکہ غیر اقوام کے لوگ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ بوجہ ہمقومی اپنے خویش وقبیلہ کے گذرے ہوئے بزرگوں کی مدح وثنا کرتا ہے۔ اور لوگوں سے اپنے بزرگوں اور اسلاف کی نبوت منواتا ہے!۔ کیونکہ اگر حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے خاندان سے ہوتے تو ایک معترض کو اس اعتراض کا موقع مل سکتا تھا۔ کہ حضرت خود قوم بنی اسرائیل سے ہیں۔ اس لئے کہ خاندان کی عظمت دنیا پر ظاہر ہو۔ آپ اپنے اسلاف کی عظمت کی تصدیق کر رہے ہیں۔

مگر خدا تعالیٰ ایسے اعتراض کو اپنے حبیب پاک کی ذات اطہر پر کب وارد ہونے دیتا تھا۔ اس لئے محض اپنی حکمت کاملہ کے ماتحت اس مقدس نبی کو بنی اسمٰعیل کے خاندان سے مبعوث فرمایا کہ جن کے ساتھ بنی اسرائیل کو صدیوں سے قومی عداوت چلی آتی تھی۔

سبحان اللہ وہ مبارک وجود کس قدر تعصب سے دور تھا۔ کہ جس نے

قدیمی قومی عناد کا مطلق لحاظ نہ کر کے احکام الہی کے ماتحت قوم بنی اسرائیل جیسی خاندان بنی اسمٰعیل کی جانی دشمن کے اسلاف یعنی انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت کو نہ محض بنی اسمٰعیل سے بلکہ بنی حام اور بنی یافث کے متفرق قبایل سے منوا کے چھوڑا۔

لیکن بنی اسرائیل اور یہود و نصارے کی قومیں کیا ہی احسان فراموش اور حق ناشناس ہیں جو ایسے خاندان بنی اسرائیل اور اسلاف بنی اسرائیل کے یعنی انبیاء بنی اسرائیل کے محسن کا احسان نہیں مانتیں۔ اور ان سے زیادہ وہ مسلمان مولوی دشمن عزت رسول ہے جو یہ کہتا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل یا گذشتہ انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے نیچے نہیں۔

چونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ تصدیق کنندہ اس شخص سے جس کی تصدیق کیجاتی ہے اعزاز اور شرف میں فایق ہوتا ہے۔ کیونکہ درجہ میں مساوی کی تصدیق وقیع نہیں ہوتی۔ اس لئے مصدق الانبیاء کی عزت جملہ انبیاء سے فایق تر ہونی چاہیئے۔ دیکھو قرآن کریم باعتبار مصدق لما معهم تمام کتب سماویہ کا مصدق ہے۔ اسی تصدیق کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی نسبت فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم وخواتمہ جس کے معنے محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں اس طرح پر لکھتا ہے محجۃ علی سائرھا ومصداق لھا۔ پس جب خاتمہ کا مفہوم مشعر تصدیق کتب سماویہ ہے تو خاتم النبیین کا مفہوم بھی مشعر مصدق الانبیاء ہے۔

لیکن یہ مفہوم تصدیق مقتضی اس امر کا نہیں کہ آئندہ کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جس طرح سے خاتم النبیین کے معنی انبیاء گذشتہ کی مُہر تصدیق کیا جاتا ہے اسی طرح سے انبیاء آئندہ کی مُہر سند بھی کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی ابو المؤمنین یعنی ابو النبیین ہونا پیشتر ثابت ہوچکا ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ ابوت روحانی کے روحانی فرزندوں

میں سے کسی کا مشرف بہ نبوت ہونا بھی ممکن ہے یا نہیں؟ اور اگر ممکن ہے تو ان میں سے کسی کو نبوت کے درجہ تک فائز ہونیکی صلاحیت ہے بھی یا نہیں؟

پس شق اول کی نسبت عرض ہے کہ نبوت امر ممکن الوقوع ہے۔ اور ہر امر ممکن ممکن ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی برہان عقلی اس کے امتناع حدوث پر قائم نہ ہو۔ لیکن کوئی برہان عقلی نبوت آئندہ کے امتناع حدوث پر قائم نہیں ہوسکتی۔ اس لئے نبوت آئندہ بھی ممکن ہے۔

اب رہی دلیل شرعی ہمارے مخالف کتاب اللہ سے تو اس آیت خاتم النّبیّین کے سوا کوئی ایسا نص صریح قطعی الدلالۃ امتناع حدوث نبوت آئندہ کے لئے پیش نہیں کرسکتے، جس سے یہ ثابت ہو کہ اب آئندہ کے واسطے سلسلہ نبوت منقطع ہوچکا ہے۔ اور باب رسالت مسدود ہے۔ اور آیت خاتم النّبیّین کے معنی جو مخالف کرتے ہیں۔ ان سے بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہو ایک گونہ کسر شان متصوّر ہے۔ اس لئے وہ معنی محل تنازع ہیں اور امر محل تنازع سے احتجاج صحیح نہیں۔

اگر کہا جائے کہ مُہر آخر مکتوب میں ثبت کی جاتی ہے۔ اس لئے آیت خاتم النّبیّین انقراض سلسلہ نبوت پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ابوالانبیاء نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن یہ اعتراض بالکل عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ابن خلدون لکھتا ہے:۔ وقد یکون ھٰذا الختم اٰخر الکتاب او اوّلہ یعنی مُہر مکتوب کے کبھی اول میں اور کبھی آخر میں لگائی جاتی ہے۔

جب مُہر کا ابتداء میں بھی ہونا ثابت ہے جیسا کہ اکثر فرامین شاہی میں دیکھا جاتا ہے تو مُہر کو آخر مکتوب سمجھکر یہ کہنا کہ خاتم النّبیّین کی آیت انقراض سلسلہ نبوّت پر دلالت کرتی ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنے ابوالانبیاء کرنا درست ہیں۔

(چہارم) خاتم بالفتح بمعنی نہایت و تمام

انہیں معنوں کو مدنظر رکھکر لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں سے آخری نبی تھے۔ سو تشریف لا چکے۔ اب خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی کوئی نبی نہیں آسکتا۔ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ جیساکہ طبری کی تقلید میں مفسر لکھتے چلے آتے ہیں۔ طبری لکھتا ہے کہ خاتم بالفتح کے معنے آخر لینے کیلئے یہ دلیل ہے کہ قرآن کریم میں مختوم ختامہ مسک آیا ہے۔ اور اس کی دوسری قرءت مختوم خاتمہ مسک ہے۔ اور اس آیت میں خاتم بالفتح کے معنی آخر کے ہیں۔ اس قیاس سے آیت خاتم النبّیین کے لفظ خاتم کے معنی بھی آخر ہی کے لینے چاہیئے۔ اور جب خاتم کے معنی آخر کے ہیں۔ تو خاتم النبّیین کے معنے آخر النبّیین ہوئے۔ اور آخر النبیین کا مفہوم مانع نبوت نبی آیندہ ہے اور اگر کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آجائے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تاخر جاتا رہیگا۔ اور مفہوم آیت تاخر پر دلالت کرتا ہے۔ پس خاتم النبیین کے معنی ہوئے الذی ختم النبوۃ فطبع علیھا فلا تفتح لاحد بعدہ الی یوم القیمۃ یعنی آپ کی ذات نے نبوت کو پورا کردیا اور اس پر مہر لگا دی ہے۔ پس اب قیامت تک کسی کیلئے نہیں کھولی جائیگی۔

لیکن اوّل تو خاتم بالفتح اور ختام کے معنی بھی ایک ہی ہیں یعنی سداد کے معنی ہیں جیساکہ ابن خلدون لفظ خاتم کی نسبت لکھتا ہے وقد یطلق علی السداد الذی یسد بہ الاوانی یعنی کبھی لفظ خاتم کا اطلاق سداد پر بھی ہوتا ہے جس سے برتنوں کے منہ بند کئے جاتے ہیں۔ اب چاہے مختوم ختامۃ پڑھو چاہے مختوم خاتمہ پڑھو معنی سداد کے ہیں۔ نہ آخر کے۔ جب مختوم خاتمہ مسک میں خاتم بالفتح آخر کے معنی نہیں دیتا۔ بلکہ سداد یعنی دہان بند ظروف کے معنی

دیتا ہے۔ تو اس آیت پر خاتم النّبیّین کا قیاس کرنا ایک ایسی آیت پر قیاس کرنا ہے جس کے معنے پہلے سے محل تنازع میں ہیں۔

(دوم) اگر کہا جائے کہ نہیں ختام کے معنے آخر کے ہیں۔ اور ایک قرءت دوسری قرءت کی تفسیر ہوتی ہے اور دوسری قرءت خاتمہ مسک ہے اس لئے پہلی قرءت کے مطابق خاتمہ کے معنی بھی آخر ہی کے لئے جائینگے۔ اور جب خاتم کے معنی آخر کے لئے جا سکتے ہیں۔ تو آیت خاتم النّبیّین میں اسی قیاس سے خاتم بالفتح کے معنی آخر کے لینے چاہئے۔ تاکہ ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے ہو جائے لیکن ابن خلدون تو ختامہ مسک میں ختام کے معنے آخر لینے کو سرے ہی سے غلط بتاتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے قد غلط من فسر ھذا بالنہایہ والتمام وقال لان اٰخر مایجدون فی شرابھم ریح المسک ولیس المعنی علیہ یعنی جسنے ختام کی تفسیر اس آیت میں نہایت اور تمام کے ساتھ کر کے یہ کہا ہے۔ کہ وہ اپنی شراب کے آخر میں مسک کی خوشبو پائیں گے غلطی کھائی ہے۔ اور یہ معنی اس کے نہیں ہیں جب ختام کے معنی آخر کے لینے اس آیت میں سرے ہی سے غلط ٹھیرے تو خاتم بالفتح کے معنی بھی اس آیت میں آخر کے لینے غلط ہوئے۔ پس اس آیت کی بنا پر خاتم النّبیّین کی آیت میں خاتم بالفتح کے معنی آخر یا نہایت یا تمام کے لینے بھی ٹھیک نہیں۔

(سوم) آیت ما کان محمّد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیّین میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس کی وجہ سے مُہر کے معنی چھوڑ کر خاتم کے معنی آخر کے لئے جائیں۔ کیونکہ خاتم بالفتح کے حقیقی معنی ما یوضع علی الطینۃ یعنی مہر کے ہیں۔ اور آخر کے معنی مجازی ہیں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینے کیلئے قرائن ثلاثہ میں سے کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقہ آیت میں موجود ہونا چاہیئے۔ بغیر قرینہ صارفہ عن الحقیقہ کے مجازی معنی نہیں لئے جا سکتے۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی مُہر کے لینے پڑتے ہیں اور آخر کے معنے لینے

محل تنازع ہیں۔

(چہارم) تمام قرآن کریم میں کوئی نص صریح قطعی الدلالہ ایسا موجود نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر انبیاء ہونے پر یا انقراض سلسلہ نبوت پر دال ہو۔ جس کی وجہ سے خاتم النّبیّین کی آیت میں خاتم کے معنی مُہر کے چھوڑ کر آخر کے معنی لئے جائیں!۔

(پنجم) اگر بطریق تنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خاتم کے معنی نہایت اور تمام کے ہیں جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے وقد یطلق علی النہایۃ والتمام۔ یعنی لفظ خاتم کا اطلاق کبھی نہایت اور تمام کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جب خاتم کے معنے نہایت اور تمام کے لئے جاتے ہیں۔ تو اس مقام میں نہایت اور تمام کے معنی بس نہایت اور تمام ہی کے ہیں۔ یا اس نہایت اور تمام سے کچھ اور ہی مراد ہے۔ پس اس کا فیصلہ بھی خود ابن خلدون نے ہی کر دیا کہ جب خاتم کے معنے نہایت اور تمام کے لئے جاتے ہیں۔ تو اس وقت نہایت اور تمام سے مراد صحت ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ مُہر کے لگنے سے مکتوب پورا ہو گیا اس پورا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مکتوب اب صحت کو پہونچ گیا ہے۔ اور مہر کے بغیر ادھورا اور ناتمام اور لغو تھا۔ چنانچہ علامہ موصوف لکھتا ہے ویکون ھذا من معنی النہایۃ والتمام بمعنی صحۃ ذٰلک المکتوب ونفوذہ کان الکتاب انما یتم العمل بہ دونہا من دونہا ملغی لیس بتمام نفس الامر میں مُہر لگنے کے سوا کوئی نوشتہ پورا یعنی صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ خواہ مُہر ابتداء مکتوب میں ہو جیسا کہ فرامین سلاطین میں دیکھی جاتی ہے۔ خواہ انتہا میں ہو۔ جیسا کہ عام خطوط میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے۔ وقد یکون ھذا الختم الخر الکتاب او اولہ

اس صورت میں خاتم النّبیّین کے یہ معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات انبیاء کو پورا کرنے والی یعنی ان کی نبوت کو پایہ صحت تک پہونچانے والی ہے!

پس باعتبار اس مفہوم کے بھی خاتم النبیّین کی آیت آیندہ آنے والے نبی کے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جس طرح سے انبیاء سابق کی کتاب نبوت آپ کی ذات سے نہایت اور تمام یعنی صحت کو پہونچی ہے۔ اسی طرح سے انبیائے لاحق کی کتاب نبوت آپ کی ذات سے نہایت اور تمام یعنی صحت کو پہونچے گی۔ غایت مافی الباب انبیائے سابق کی کتاب نبوت کے آخر میں اور انبیائے لاحق کی کتاب نبوت کے اول میں یہ مُہر زینت افزا ہے

(ششم) اگر نہایت و تمام کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقصیٰ مدارج کمال کو پہونچنے کے سبب آخر النبیّین ہے۔ کہ دوسرا نبی اس سرحد کمال تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ پہونچا ہے تو یہ بالکل ہمارے مدعا کے مطابق ہے۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

لیکن یہ مفہوم مانع بعثت نبی غیر تشریعی نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو نبی غیر تشریعی ہیں آیہ خاتم النبیّین اس اعتبار سے بھی ان کی بعثت کی مزاحم نہیں!۔

(پنجم) خاتم بالفتح بمعنی علامت

محمدؐ طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں وفی اعناقھم الخواتیم۔ اراد بھا اشیاء من ذھب اوغیرہ تعلق فی اعناقھم یعرفون بھا۔ یعنی ان کی گردن میں مہریں ہوں گی۔ اس ارشاد کے معنی یہ ہیں۔ کہ اہل جنت کی گردن میں سونے وغیرہ کی ایسی چیزیں لٹکتی ہوں گی جن سے وہ شناخت ہو سکیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے۔ امین خاتم رب العلمین علی عبادہ المومنین یعنی آمین رب العالمین کی مہر ہے اس کے مومن بندوں پر۔ اس خاتم کی نسبت! محمدؐ طاہر لکھتے ہیں۔ ای علامۃ التی تدفع عنھم الاعراض والعاھات۔ یعنی امین رب العالمین کی طرف سے ایک ایسی علامت خاص ہے جس کی برکت

سے مومنین بندوں سے مصیبتیں اور آفتیں دور ہو جاتی ہیں۔
تفسیر مجمع البیان طبرسی میں بذیل آیت ختم اللہ علیٰ قلوبھم لکھا ہے: قیل
فی معنی الختم وجوہ احدھا ان المراد بالختم العلامۃ۔ یعنی ختم کے معنی میں کئی وجوہات
اب جبکہ خاتم کے معنی علامت ثابت ہو گئے تو اس صورت میں خاتم
النّبیّین کے معنی علامۃ النّبیّین ہوئے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذات مستجمع الصفات ایک ایسی علامت ہے۔ جس سے انبیاء کی شناخت
ہوتی ہے یعنی آپ کی ذات معیار نبوت ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ
حسنۃ جو نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ہو وہ نبی ہے ورنہ کاذب
ہے۔ یعنی جو علامت کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے
لئے رکھی ہے وہ معیار صداقت ہر نبی ہے۔ اگر وہ علامت دوسرے دعویدار نبوت
میں پائی جائے تو وہ بھی صادق ہے ورنہ کاذب ہے۔
اب اس منہاج نبوت اور معیار صداقت رسل کو کتاب اللہ میں تلاش کرنا چاہیئے
اور وہ علامت ایسی نمایاں ہونی چاہیئے کہ جس کو ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا
ہو۔ تاکہ سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز کر سکے۔ اور اس کو امتیاز کرنے میں کسی قسم کی
دقت پیش نہ آئے۔
مثلاً دیکھو قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل بیان
کی ہے۔ اور وہ یہ ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا
منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین "اگر باندھے ہم پر بعض باتیں البتہ
پکڑ لیں ہم اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالیں ہم اس کی گردن کی رگ پس نہ ہو وے
تم میں سے کوئی اس سے باز رکھنے والا۔ یعنی اگر ہماری طرف سے جھوٹ بنا کر باتیں
بیان کرے تو ہم اس کو ہلاک کر ڈالیں"
اب غور کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف سے پیغمبر ہونے کا
دعویٰ کیا۔ اور نزول وحی کے بعد آپ تئیس سال کے عرصہ تک دنیا میں تبلیغ کرتے

رہے۔ اور واللہ یعصمک من الناس کے وعدہ کے نیچے شر اعدا سے محفوظ اور ہر امر میں مظفر و منصور پیغام الہی پہونچاتے رہے۔ خود آنجناب کے عہد میں اور آنجناب کے عہد مبارک کے بعد بکثرت دعویداران نبوت پیدا ہوئے۔ مگر کسی نے تئیس سال مہلت نہ پائی!۔

یہ وہ کامل معیار اور درخشاں علامت ہے جس سے جھوٹے اور سچے نبی کی بلا تکلف شناخت ہو سکتی ہے۔ اور یہ وہ نشان ہے کہ ایک جاہل انسان مگر تعصب سے دور صادق اور کاذب نبی میں ایک ادنیٰ تامل کے ساتھ امتیاز کر سکتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ گذشتہ انبیاء نے دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لانا تھا کہ ان کی شناخت کے لئے علامت اور ان کی معرفت صداقت کے لئے معیار مقرر کیا جاتا وہ تو ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کے حکم محکم سے مظفر و منصو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس دار ناپائیدار سے گذر چکے تھے۔ ان کی صداقت پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے مُہر ہو چکی تھی۔

اب تو دنیا میں نئے لوگوں کی آمد تھی۔ اور سچے مدعیوں کے علاوہ بہت لوگوں نے افتراء علی اللہ کرنا تھا۔ اس علیم و خبیر نے نبی صادق اور دعویداران نبوت کاذبہ کے امتیاز کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانہ کو علامت نبوت صادقہ قرار دیکر حضور علیہ السلام کی ذات اطہر کو خاتم النبیین یعنی علامۃ النبیین کے خطاب سے یاد فرمایا۔

مگر خدا تعالیٰ کا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معزز خطاب یعنی خاتم النبیین بمعنی علامۃ النبیین سے یاد فرمانا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اب آیندہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

بلکہ خاتم النبیین بمعنی علامۃ النبیین بجائے مانع نبوت آیندہ ہونیکے ایک آیندہ نبوت صادقہ کی بعثت کی دلیل ساطع ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ہو۔ پس وہ نبوت صادقہ مصدوقہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

کی نبوت ہے جو ۱۸۶۹ء سے لیکر ۱۹۰۸ء تک اونتیس سال کے عرصہ تک رہی
چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اربعین میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اگر کوئی شخص
بطور افتراء کے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے مانند ہرگز زندگی نہیں پائیگا"

خاتم بالکسر

خاتم بکسر المثناۃ الفوقانیہ۔ جیساکہ دوسری قرءت میں ہے۔ اس کی بھی
پانچ صورتیں ہیں۔

(اوّل) خاتم بالکسر بمعنی مُہر

جیساکہ لسان العرب میں ہے۔ الخاتم بفتح تاءۃ وتکسر۔ اب خواہ خاتم
النّبیّین بالفتح پڑھو خواہ بالکسر معنی تو مُہر ہی کے رہے۔ اور اس کی پانچوں صورتیں
مذکور ہو چکی ہیں تکرار کی ضرورت نہیں۔

جو لوگ خاتم بالکسر کے معنی کچھ اور سمجھتے ہوں۔ ان کو چاہیئے کہ آیت میں سے کوئی
قرینہ اپنے معنوں کے لئے پیش کریں۔

مولوی محمد علی صاحب کا یہ کہنا کہ (لغت کے اندر خاتم کے دونوں معنی آئے ہیں۔
مہر کے بھی اس کے معنی ہیں۔ لیکن دوسرے معنی خاتم کے بھی ہیں یعنی ختم کرنے والا۔
ان دونوں میں سے کون سے معنی لگ سکتے ہیں۔ اول تو خاتم النّبیّین کی دوسری
قرءت خاتم النّبیّین بھی آئی ہے۔ جب ایک لفظ کی دو قرءتیں آجائیں۔ تو
ایک کی مفسر دوسری قرءت ہوتی ہے جو اس کے معنوں کو وضاحت کر دیتی ہے۔
انتہیٰ کلامہ)

بے شک دوسری قرءت میں خاتم بالکسر آیا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ایک
قرءت کی دوسری قرءت مفسر ہوتی ہے۔

لیکن (اول) تو مولوی صاحب کو یہ ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ خاتم بالکسر کس صحابی
کی قرءت ہے۔ کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ عاصم کے سوائے دوسرے قاری نافع وغیرہ
بالکسر ہی پڑھتے رہے ہیں۔ مگر کسی صحابی کی روایت ان کی تائید میں پیش نہیں کی
جاتی۔ اور عاصم کی قرءت کی تائید حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اس قول سے ہوتی
ہے "اخرج ابن الانباری فی المصاحف عن ابی عبد الرحمٰن السلمی قال کنت
اقری الحسن والحسین رضی اللہ عنہما فمر بی علی ابن ابی طالب رضی اللہ
عنہ وانا اقرءھما فقال لی اقرءھما خاتم النبیین بفتح التاء واللہ الموفق"
(تفسیر درمنثور) ابن الانباری مصاحف میں لکھتا ہے کہ ابو عبد الرحمن سلمی بیان
کرتے ہیں۔ میں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو قرآن کریم پڑھایا کرتا تھا
میں پڑھا رہا تھا کہ حضرت علی ابن ابی طالب میرے پاس سے ہو کر گذرے۔ فرمانے
لگے ان دونوں کو خاتم النبیین بفتح پڑھا۔ خدا توفیق بخشنے والا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت علی اقرء صحابہ تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
تعلیم حاصل کی تھی۔ حضرت سے قرآن پڑھا تھا اور حضرت کو قرآن کریم کا ایک ایک لفظ کرکے سنایا تھا
معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خاتم النبیین بکسر التاء کی قرءت کو روک کر بفتح التاء کی قرءت
کو کسی خاص وجہ سے بیان فرمایا ہے۔ اگر بکسر التاء کی قرءت بھی آپ کے نزدیک
جائز ہوتی تو آپ ہرگز ابو عبد الرحمن سلمی کو بکسر التاء کے پڑھنے سے نہ روکتے۔ اور حضرت
عثمان کے مصحف مبارک سے بھی یہی قرءت ثابت ہوتی ہے امام مطرزی المغرب میں لکھتے
ہیں کان سلیمان الاعمش یقرء ختما ای یختم ختما مرۃ بحرف ابن مسعود ومرۃ
من مصحف عثمان رض یعنی سلیمان الاعمش کبھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی قرءت کے مطابق...

(دویم) چونکہ خاتم بالکسر کی تائید کسی صحابی کی روایت سے نہیں ہوتی۔ اس لئے
بالجزم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قرءت صحیح ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا
پڑھا بھی ہے یا نہیں۔ الغرض خاتم بالکسر کی قرءت یقینی نہیں بلکہ امر ظنی ہے۔ اور
بالفتح کی قرءت یقینی اور متواتر ہے۔ اس لئے ایک یقینی امر کی تفسیر ایک ظنی امر کے ساتھ

...ختم النبیین اور کبھی حضرت عثمان کی مصحف کے مطابق خاتم النبیین پڑھا کرتے تھے

ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

(سوم) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی صحابی خاتِم النّبیّین بکسر التاء پڑھتا رہا ہے۔ اور یہ بھی گمان کر لیا جائے کہ شاید اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سے پڑھتے سنا ہے۔ تو اس صورت میں خاتِم بالکسر کے معنوں کو لغت عرب میں تلاش کرنا پڑے گا۔

لیکن جبکہ قاموس لسان العرب منجد وغیرہ میں ہے الخاتم تفتح وتارۃ تکسر یعنی خاتم کا لفظ کبھی زبر سے اور کبھی زیر سے پڑھا جاتا ہے جس کے معنے ایک ہی ہیں الخاتم ما یوضع علی الطینۃ وحلّی صبع کالخاتم والخاتام۔ یعنی خاتَم بالفتح وہ چیز ہے جو مٹی پر لگائی جاتی ہے اور انگلی کا زیور ہے جیسے کہ خاتِم بالکسر اور خاتام۔ اور صاحب منجد نے (الخاتَم والخاتِم) خط وحدانی میں لکھکر جمع خواتم اور خواتیم اور اس کے معنی حلی الاصبع لکھا ہے۔ یعنی خاتم کا لفظ خواہ زبر سے ہو یا زیر سے دونوں طرح مُہر کے معنی دیتا ہے۔ صراح میں ہے خاتم بفتح التاء وکسر وخیتام بالیاء وخاتام بالالف انگشتری۔ پھر خاتم النّبیّین کی آیت میں خاتِم بالکسر کے معنی مہر کیوں نہ کئے جائیں۔ اور مولوی محمد علی صاحب کا بالجزم یہ کہنا کہ اس آیت میں خاتم کے ختم کرنے والے کے ہیں اور مُہر کے معنی نہیں ہیں سراسر تحکم ہے۔

جب اصح قرءت جمہور کے نزدیک خاتَم بالفتح ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور لغت عرب بھی اس کا مؤید ہے تو کیوں خاتِم بالکسر کے معنی مُہر کے نہ کئے جائیں۔ اور خاتِم بالکسر خاتَم بالفتح کی تفسیر کیوں نہ کہا جاوے کہ جس کے معنی مُہر کے ہیں۔ پس خاتِم بالکسر مثل طابع تسمیۃ الفاعل الی الالۃ ہے جیسے سیفٌ قاطعٌ دیکھو مفردات امام راغب۔ یعنی اسم آلہ بر وزن اسم فاعل ہے۔

(دوم) خاتم بالکسر اسم فاعل

اسم فاعل کی اس آیت کریمہ میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو (مہر کرنیوالے) کی جو ختم یختمہ ختماً وختاماً ای طبعہ یعنی مہر کردن کے باب میں سے ماخوذ ہے

دوئم خلق الشیٔ یختمہ ختماً ای بلغ آخرہ یعنی (بپایاں بردن) کے باب سے۔
شق دوئم کی نسبت اکثر سطحی خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ حسن اور عاصم کے سوائے دوسرے تمام قرائے خاتم بالکسر پڑھ کر یہی معنی لئے ہیں چنانچہ تفسیر طبری میں ہے۔ فقرء ذلک قرا الامصار سوی الحسن وعاصم بکسر التاء من خاتم النبیّین بمعنی انہ ختم ذکر ان ذلک فی قرءۃ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولکن نبیا ختم النبیین) فذلک دلیل علی صحۃ من قرءۃ بکسر التاء بمعنی الذی ختم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام یعنی امام حسن بصری اور عاصم کے سوائے شہروں کے دوسرے قاریوں نے خاتم النبیّین کو حرف التاء کی زیر سے پڑھا ہے یعنی آنجناب نے نبیوں کو ختم کیا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ چونکہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ولکن نبیا ختم النبیّین آیا ہے۔ یہ قرءت کسرۂ حرف تاء کی زیر کے ساتھ پڑھنے کی صحت کی دلیل ہے۔ اور خاتم بکسر التاء کے یہ معنی ہیں کہ آنجناب کی وہ ذات ہے۔ جس نے انبیاء علیہم السلام کو ختم کیا ہے"۔
لیکن (اول) تو ظاہر ہے کہ خاتم النبیّین کو بکسر پڑھنے کی تائید میں بجز اس کے کہ حسن اور عاصم کے سوائے دوسرے قاری پڑھتے رہے ہیں۔ کسی مفسر نے کسی صحابی کا قول پیش نہیں کیا۔ اور بالفتح پڑھنے کے مؤید حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے"۔
(دوئم) محض حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضہ کی قرأت شاذہ ولکن نبیاً ختم النبیین پر قیاس کر کے خاتم النبیّین بکسر التاء لوگوں نے پڑھا ہے اگر بالصراحۃ کسی صحابی نے خاتم النبیّین پڑھا ہوتا۔ تو علامہ ابن جریر ضرور اس کا نام اس مقام پر درج کرتا اور یہ نہ لکھتا فذالک دلیل علی صحۃ من قرءۃ بکسر التاء دیکھو صاحب تفسیر مدارک نے بھی اس مقام پر کسی روایت کے پیش کرنے میں کیسا اپنا عجز ظاہر کر کے لکھا ہے۔ بکسر التاء بمعنی الطابع وفاعل الختم وتقویہ قرءۃ ابن

مسعود ولکن نبیا ختم النبیّین یعنی خاتم بکسر التاء طابع یعنی مُہر اور الختم کا فاعل ہے۔ اور حضرت ابن مسعود کی قرءت ولکن نبیّا ختم النبیّین سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔ اگر صاحب مدارک کو صدہا سال ابن جریر کے بعد ہوا ہے۔ خاتم النبیّین بالکسر پڑھنے کے لئے کسی صحابی کا صریح قول مل گیا ہوتا تو ضرور وہ اس قول کو درج کر کے تقویہ قرءۃ ابن مسعود نہ لکھتا۔

ان دونوں مفسروں کے سوائے علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر الدر المنثور میں جہاں تفسیر بالماثور کا التزام کیا ہے۔ کسی صحابی کا قول خاتم النبیین بالکسر کے متعلق نقل نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیّین کی قرءت بالکسر امر قیاسی ہے گو اس کو دیگر تمام قرءنے پڑھا ہو۔ اور اگر کوئی صاحب کسی مستند تفسیر سے کسی صحابی کا قول نکال کر پیش کرے تو حقیر بطور تحفہ اس کی خدمت میں فوراً مبلغ پانچروپیہ پیش کردے گا۔ اور نہایت ممنون ہوگا۔

(سوم) جس طرح الخاتم بالکسر ختم الشیئ یختمہ ختماً ای بلغ آخرہ کے باب کا اسم فاعل قرار دیکر پورا کرنے والے کے معنی لئے جاسکتے ہیں ویسے ہی ختم یختمہ ختماً وختاماً ای طبعہ کے باب کا اسم فاعل قرار دیکر (مہر کرنے والے کے معنوں میں بھی لئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ مصباح المنیر میں ہے۔ الخاتم بالکسر الفاعل وبالفتح ما یوضع علی الطینۃ والختام الذی یختم علی الکتاب یعنی خاتم بالکسر مہر کرنے کے باب میں سے اسم فاعل ہے اور بالفتح مُہر ہے۔ اور ختام اس چیز کو کہتے ہیں جو نوشتہ پر لگائی جاتی ہے۔

پس بالجزم نہیں کہا جاسکتا کہ خاتم النبیّین میں خاتم بالکسر ختم الشیئ یختمہ ختماً ای بلغ آخرہ کے باب کا اسم فاعل ہے اور باب ختم یختمہ ختماً وختاماً ای طبعہ کا نہیں ہے۔

(چہارم) جبکہ لفظ الختم جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے۔ دونوں معنوں میں متعدی بنفسہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ابو البقا کلیات میں لکھتا ہے۔ الختم یستعمل تارۃ متعدیا بنفسہ وتارۃ بعلی۔ تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرءت ولکن نبیًا ختم الانبیاء میں ختم کے معنی (مُہر کرد) کے معنی کیوں نہ کئے جائیں۔ دیکھو مطرزی المغرب میں لکھتا ہے:۔ ختم الشیء وضع علیہ الخاتم پس ختم الانبیاء کے معنی وضع علی نبوۃ الانبیاء خاتم التصدیق ہی ہیں۔

سویم خاتِم بالکسر بمعنی صاحب الختم

جیسے تامر بمعنی صاحب تمر صراح میں ہے۔ تامر خداوند تمر مثل لابن اے ذو لبن سیبویہ اور خلیل کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل نہیں ہیں بلکہ ان کا اشتقاق لبن اور تمر سے ہے۔ اور یہ دو لفظ ہی نہیں بلکہ ان کی مثالیں زبان عرب میں بکثرت موجود ہیں جیسے شاعر شعر سے طالق طلق سے اور حایض حیض سے اور حامل حمل سے۔ اور دارع درع سے اور عالق علق سے۔ اے ذات طلق وذات حیض وذات حمل وذو درع اور ذو علق۔ چنانچہ کہتے ہیں ماء عالق اے ذو علق۔ انہیں اسماء پر خاتم کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاید ذو ختم ہو کیونکہ لفظ ختم بسکون التاء اور بفتح التاء دونوں طرح سے مہر کے معنی دیتا ہے۔ جیسا کہ حافظ زین العراقی کی نظم اور صاحب قاموس کی تصریح سے ظاہر ہے تاج العروس میں ہے۔ خذ نظم لغات الخاتم انتظمت۔ ثمانیا ما حواھا قبل نظامی خاتام خاتِم ختم وختام۔ خاتیام وخیتوم وخیتام وہمزۃ مفتوح تا تاسع واذا۔ ساغ القیاس اتم خأتام۔ صاحب تاج العروس لکھتا ہے ولم یذکر الناظم ختما محرکۃ وقد ذکرہ المصنف وابن سیدہ وابن ھشام فی الکعبیہ یعنی ختم بسکون التاء کو ناظم ابیات حافظ زین العراقی نے درج نظم کیا ہے۔ مگر ختم بحرکت التاء کو ذکر نہیں کیا۔ اور مصنف یعنی صاحب قاموس اور ابن سیدہ نے اور

ابن سیدہ نے اور ابن ہشام نے کعبیہ میں ذکر کیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خاتم بفتح التاء اور ختم دونوں متحد المعنی ہیں۔ اور دونوں کے معنے مہر کے ہیں۔ اس صورت میں تامس اور لابن اور طالق اور عاتق اور دارع کی طرح بالکل اسم فاعل نہیں بلکہ ذوختم یعنی صاحب مہر اور خداوند مہر کے معنی دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حقیقۃ الوحی میں ان معنوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین طرح سے خاتم یعنی ذوختم اور خداوند مُہر تھے۔

(اول) خداوند مُہر نبوت۔ جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ عن الجعد ابن عبد الرحمٰن قال سمعت السائب ابن یزید یقول ذھبت بی خالتی الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان ابن اختی وجع فمسح براسی ودعالی بالبرکت وتوضاء فشربت من وضوئہ فقمت خلف ظھرہ فنظرت الی الخاتم بین کتفیہ فاذا ھو مثل زر الحجلۃ۔ جعدہ بن عبد الرحمٰن کہتا ہے۔ میں نے سائب ابن یزید کو کہتے ہوئے سنا کہ میری خالہ مجھکو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لے گئی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے بھانجے کے سر میں درد ہے۔ حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ اور آپ نے وضو کیا۔ میں اٹھکر آپ کے پس پشت ہو گیا۔ اور اس مُہر مبارک کو دیکھا جو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مثل چکور کے انڈے کے تھی۔

عن جابر ابن سمرہ قال کان خاتم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی الذی بین کتفیہ غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ ھذا حدیث حسن صحیح۔ جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے

درمیان مُہر تھی یعنی ایک سرخ رنگ گوشت کا ابھار مثل کبوتر کے انڈے کی تھا۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

لمعات میں ہے وفی روایۃ کبیضۃ حمام مکتوب فیہ اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ توجہ حیث شئت فانک منصور وفی روایۃ کان نورا یتلا لا ء۔

ایک روایت میں ہے کہ کبوتر کے انڈے کی طرح تھی۔ جس میں لکھا ہوا تھا اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو جہاں چاہے توجہ کریں تو فتحمند ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے نور چمکتا تھا۔ مجمع بحار الانوار میں محمد طاہر لکھتے ہیں ذکرت امہ انہ لما ولد غمسہ الملک فی ماء انبعہ ثلث غمسات ثم اخرج صرۃ من حریر ابیض فاذا فیھا خاتم فضرب بہ علی کتفہ کالبیضۃ المکنونۃ۔ تضیئ کالزھرۃ وقیل ولد معہ قیل کان المکتوب فیہ توجہ حیث شئت فانک منصور۔ آپکی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون فرماتی ہیں کہ جب آپ تولد ہوئے فرشتہ نے تین دفعہ آپ کو غسل دیا۔ پھر سفید ریشم کی تھیلی نکالی۔ اس میں ایک مہر تھی۔ آپ کے کندھے پر لگائی جو محفوظ انڈے کی طرح تھی۔ اس سے ستارہ زہرہ کی طرح نور چمکتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مُہر مبارک حضور علیہ السلام کے ساتھ بطن مادر سے تولد ہوئی تھی یعنی فطری تھی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا جہاں چاہے توجہ کر تحقیق تو فتحمند اور ظفر یاب ہے۔

پس اس صورت میں **خاتم النبیین** کے یہ معنی ہوں گے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان صاحب مہر نبوت ہیں۔ اور آپ کے سوا کوئی خداوند مہر نبوت نہیں۔ لیکن صاحب مہر نبوت ہونا کسی آیندہ نبی کی نبوت کا مانع نہیں کہ مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرنے کا مانع ہو۔

(دویم) خداوند مُہر باعتبار مہر انگشتری۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے اپنے نام کی مُہر کندہ نہیں کرائی۔ خاتم سلیمانی کا نام افسانہائے باستان میں درج ہے۔ قرآن کریم کی آیات سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ جناب رسول

کریم صلی اللہ علیہ سلم کی مہر مبارک کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور مہر کندہ کرائی۔ بعد وفات حضور علیہ السّلام کے حضرت ابوبکر رضہ کے پاس رہی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی - اور ان کے شہید ہونیکے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیر اریس میں گر گئی اور گم ہو گئی۔

اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب مہر ہونا کسی آئندہ نبی کی نبوت کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ نہ تسلیم کیا جائے۔

(سویم) خداوند مہر بمعنی سلطان۔ کیونکہ مہر شارۃ سلطانیہ یعنی شاہی زیورات میں سے اعلیٰ نمبر کا شارۃ سمجھا جاتا ہے جس کی نسبت ابن خلدون لکھتا ہے ویلبسہ السلطان شارۃ فی عرفھم یعنی بادشاہ مہر کو پہنتا ہے۔ اور بادشاہوں کی عرف میں شارۃ یعنی نشان سلطنت میں سے شمار ہوتی ہے حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بادشاہی مہر رکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ نھی النبی صلی اللہ علیہ سلم عن لبس الخاتم الا لذی سلطان ای اذا لبس لغیر حاجۃ وکان للزینۃ المحضۃ فکرہ کذلک ورخصھا للسلطان لحاجتہ الیھا فی ختم الکتب اور مجمع بحار الانوار میں ہے - والنھی محمول للزینۃ المحضۃ لا یشوبھا مصلحۃ - آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے بادشاہ کے سوائے جو شخص محض زینت کیلئے انگوٹھی پہنے اس کو حرام فرمائی ہے - اور بادشاہ کو اس وجہ سے رخصت دی ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو خطوط اور فرامین پر مہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

قبل ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ خاتم بالکسر کے معنی خداوند مہر کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور خداوند مہر سلطان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے پس اس توجیہ کے رو سے خاتم النبیین کے معنے سلطان النبیین کے ہوئے۔

لیکن سلطان النّبیّین کا مفہوم بے شک سید المرسلین ہونے پر تو
دال ہے۔ مگر آئندہ آنے والے نبی کی نبوت کا مانع نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت تسلیم کرنے میں تامل کیا جائے۔

چہارم خاتم بالکسر بمعنی مختوم!

اہل عرب کبھی اسم فاعل کو اسم مفعول کے ساتھ اور کبھی اسم مفعول کو اسم
فاعل کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کر لیتے ہیں۔ صرف میں جہاں اسم مفعول کے اوزان
فعول اور فعیل وغیرہ لکھے ہیں۔ وہاں فاعل کا وزن بھی درج ہے۔ جیسے سر کاتم
ای مکتوم ومکان عامر ای معمور وحرم آمن ای مامون جریر کہتا ہے
۵ ان البلیۃ من تمُلّ کلامہ۔ فانقع فوادک من حدیث الوامق۔ اے
من حدیث الموموق۔ قرآن کریم میں ہے۔ خلق من ماء دافق۔ ای مدفوق
اور دوسری آیت میں ہے۔ عیشۃ راضیۃ ای مرضیۃ۔

اور مفعول بمعنی فاعل۔ جیسے کان وعدہ ماتیا ای آتیا۔ اور حجاب
مستورا ای حجاب ساتر۔

پس اس صورت میں مناسبۃ بین المتعاطفین باعتبار مفعولیت مضاف ہی بھی
رسول بھی صیغہٴ مفعول ہے اور خاتم بالکسر بھی صیغہ مفعول ہے اور اضافۃ
مفعول بجانب فاعل ہے جیسے صریع الغوانی میں اور خاتم النّبیّین کے
معنی مختوم النّبیّین کے ہیں۔ یعنی الذی ختم علی صدقہ دعوتہ النبیون
جس کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ملتا ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما
اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و
لتنصرنہ قال أقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا
معکم من الشاھدین۔ بعض صحابہ کرام کا یہ مذہب ہے کہ اس آیت کریمہ سے
یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ ابن مریم

علیہ السلام تک جتنے نبی گذرے ہیں سب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا یہ عہد لیا تھا۔ کہ اگر رسول کریم ان کے عہد میں مبعوث ہوں تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا پڑے گا۔ علامہ[۱] جلال الدین السیوطی تفسیر الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابن جریر عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال لم یبعث اللہ نبیًا من لدن اٰدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لئن بعث وھو حی لیؤمنن بہ ولینصرنہ ویامرہ لیاخذ العھد علی قومہ۔ چونکہ[۲] خدا تعالیٰ بغرض تفہیم اپنے خاص بندوں سے انہیں کے الف وعادت کے مطابق کلام کرتا ہے۔ لہذا انبیاء علیہم السلام کے اس عہد ومیثاق کو اس آیت میں لفظ ختم یعنے مُہر کرنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ مہر منجملہ متمم مواثیق ہوتی ہے۔ اس لئے جناب رسول کریم کی ذات بابرکات کو مختوم النبیین سے تعبیر فرمایا ہے۔

تاکہ لوگوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور افضلیت علی سائر الرسل ظاہر ہو۔

مگر اس مفہوم سے بھی یہ امر بالکل خارج ہے کہ کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آنحضرت کا مطیع اور تابع اور مصدق ہو۔ اب قیامت تک مبعوث بالرسالۃ نہیں ہو سکتا۔

جس طرح سے حضرت مسیح موعود کی نزولی بعثت از روئے احادیث صحیحہ مسلم ہے۔ اور بجز شرذمہ قلیلہ کے مذاہب مختلفہ اسلامیہ میں سے کوئی اس کا منکر نہیں۔ اسی طرح اس عظیم الشان انسان کے نبی اللہ ہونے پر تمام فرقہ ہائے اسلامیہ

---

[۱] زرقانی جلد ۵ صفحہ ۲۶۱ میں ہے۔ اَن یکن النبی حیًّا فی بعثتہ نبینا فلا بد ان یؤمن بہ ولینصرن

[۲] حضرت مسیح موعود علیہ السلام ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۳۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ قرآن سے ثابت ہے کہ ہر نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لتؤمنن بہ ولتنصرنہ پس اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت کی امت ہیں

کا اجماع ہے اور احادیث صحیحہ اس کی موید ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے کسی نے بھی ان کی نبوت سے انکار نہیں کیا۔

پس مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کا منکر منکر احادیث صحیحہ اور خارج اجماع اور من شذّ شذّ فی النار کی وعید کے ماتحت ہے۔

(پنجم) خاتم بالکسر بمعنی خاتمہ و آخر القوم!

انہیں معنوں پر لوگ زور دیتے ہیں کہ ختم کے معنی لغت میں بلغ آخرہ اور خاتم کل شیئ معنی خاتمۃ وعاقبتہ و آخرہ کے ہیں۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی آخر النّبیّین ہی ہو سکتے ہیں۔ جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کو تمام محدثین نے طرق متعددہ سے روایت کیا ہے اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اس کو اثبت الاخبار کہا ہے۔ عن سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ متفق علیہ۔ اگر حضرت کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو آپ لا نبی بعدی نہ فرماتے؟

دوسری حدیث میں ہے۔ عن عقبہ بن عامر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان نبی بعدی لکان عمر۔ چونکہ آنحضرت کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی خاتمۃ النّبیّین اور آخر النّبیّین ہی کرنے چاہیئے۔ اور انہیں معنوں کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو خطیب اور دیلمی اور ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔ ھل غمك ان جعلتك آخر النّبیّین۔

پس جبکہ خاتم النّبیّین کے معنی آخر النّبیّین حدیث شریف سے ثابت ہیں تو پھر کس طرح سے مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم کیا جائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث لا نبی بعدی کی نسبت کچھ عرض

کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں دو لفظ روایت ہوئے ہیں۔ ایک لفظ
لا۔ اور دوسرا لفظ بعدہٗ۔ اور یہ دونوں قابل غور ہیں۔

(لا)

یہ حرف نفی جنس کے لئے ہے۔ کبھی اس سے مدخول کے وجود کی نفی مراد ہوتی ہے
جیسے لا الٰہ میں اس کو نفی نفی صحۃ کہتے ہیں۔
اور کبھی اس سے مدخول کے فائدہ اور نفع کی نفی مراد ہوتی ہے۔ جیسے کوئی صاحب
اولاد اور مالک مال یہ کہے لا ولد لی ولا مال لی یعنی بیٹا تو موجود ہے اور مال
بھی موجود ہے۔ لیکن ان دونوں کے وجود سے مجھکو کچھ نفع حاصل نہیں ہے۔ اور یہ
دونوں میرے کارآمد نہیں ہیں۔ اس کو نفی النفع کہتے ہیں
اور کبھی اس لا کے مدخول سے اس کی مثل کی نفی مراد ہوتی ہے۔ جیسے لا فتی
الا عمرو ابن نقن کی مشہور ضرب المثل ہے۔ یعنی جوان مرد اور بھی تو ہیں مگر عمرو بن
نقن جیسا کوئی نہیں۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں لی جا سکتی کہ عمرو بن نقن
کے سوا اب دنیا میں کوئی جوان مرد نہیں ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لا
سیف الا ذو الفقار سے حضرت کی یہ منشا تھی کہ دنیا میں ایک ذوالفقار
ہی تلوار ہے اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار کسی کے پاس موجود نہیں۔ دیکھو
بخاری شریف میں ہے۔ عن جابر ابن سمرہ رفعہ قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ
اب یہ ظاہر ہے کہ جب قیصر ہرقل مرگیا تو اس کا بیٹا ہرقلوس اور ہرقلوس
کے بعد روم کبری کے متعدد بادشاہ قیصر ہی کے خطاب سے پکارے جاتے
رہے ہیں۔ پس اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ کے معنی بجز اس کے اور
کچھ نہیں ہو سکتے۔ کہ جب قیصر ہرقل مرجائیگا تو دوسرا قیصر اس کے مرتبہ کا نہیں
ہوگا۔ یہ معنی کوئی جدید نہیں ہیں نہ ہمارے طبعزاد ہیں۔ خطابی نے بھی یہی معنی
کئے ہیں۔ فتح الباری میں ہے۔ قال الخطابی معناہ فلا قیصر بعدہ یملک

مثل ما یملک (باب علامات النبوۃ فی الاسلام - الجزء السادس)
عربی میں نفی جنس بمعنی نفی مثلیت کی مثالیں بکثرت موجود ہیں - الغرض لا
نبی بعدی میں لا کے مدخول کے وجود کی نفی مراد نہیں - بلکہ لا کے مدخول
کے مثل کی نفی مراد ہے - ای لا نبی مثلی بعد - یعنی میرے جیسا نبی میرے بعد نہ ہوگا۔
سابقاً بیان ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ علیہ السلام
تھے - باوجودیکہ حضرت موسیٰ کے بعد صدہا انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے
مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی نبی صاحب شریعت ان میں برپا نہیں ہوا
جیسا کہ توراۃ میں ہے - لم یقم بعد نبی فی اسرائیل مثل موسیٰ - ایسے
ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نبی صاحب شریعت اب قیامت تک
برپا نہیں ہوسکتا - فرق اتنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کافۃ
للناس نہیں تھی - بلکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد حضرت موسیٰ جیسا
نبی نہیں مبعوث ہوا - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کافۃ للناس ہے
اس لئے کسی قوم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی نہیں آسکتا -
اس حدیث میں لا کے محض مدخول کے وجود کی نفی مراد لینے سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اس صورت میں نمایاں ہوتی ہے کہ لفظ بعد کا
تعلق حضور علیہ السلام کے عہد مبارک سے مخصوص سمجھا جائے

(بعد)

یہ لفظ ظرف ہے - اور ظرف کا انحصار مکان اور زمان میں ظاہر ہے - تاج
العروس میں ہے - وبعد ضد قبل وکلا منہما ظرف زمان کما عرف فی العربیۃ
ویکونان للمکان عند النحاۃ - اب اگر اس حدیث میں بعد بمعنی ظرف مکان
لئے جائیں تو حدیث کی تاویل یا تو یوں ہوگی لا نبی تحت مکانی - اول
تو یہ معنی خلاف منشاء سید ولد آدم ہیں - دوئم یہ مفید منشاء مخالف نہیں - اور یا
ظرف مکان بمعنی فوق لیکر اس کی تاویل یوں کی جائے لا نبی فوق مکانی ای

فوق حسن تنبیہی - ہم کو ان معنوں کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں - کیونکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضور علیہ السلام سے کسی نبی کا مرتبہ اونچا نہیں - لیکن یہ معنی بھی مفید منشاء مخالف نہیں -

لہذا مجبوراً ظرف زمان ہی کے معنی لینے پڑتے ہیں - اب اس کی دو صورتیں ہیں :-

(۱) نفی نبوت مطلقہ -

(۲) نفی نبوت مقیدہ -

اگر حضور علیہ السلام کا منشاء نفی نبوت مطلقہ کے متعلق ہوتا - تو آنجناب وضاحت کے ساتھ ان معنوں کو ایسے الفاظ میں بیان فرماتے - جن سے کہ لا نبی فی حیاتی ولا بعد مماتی الی یوم القیامۃ کے معانی ظاہر ہو سکتے -

لیکن اس افصح عرب و عجم نے ایسا ارشاد نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت کا منشاء نبوت مطلقہ کی نفی کے متعلق نہیں تھا - ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم - - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی کے لقب سے یاد نہ فرماتے - جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے - انی اولی الناس بعیسیٰ بن مریم لم یکن بینی و بینہ نبی وانہ نازل -

الغرض اس حدیث سے نبوۃ مطلقہ کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی - اب رہی دوسری صورت یعنی نبوت مقیدہ کی نفی - سو اس کی بھی دو صورتیں ہیں -

(الف) نفی نبوت بزمانہ حیات -

(ب) نفی نبوت بعد زمانہ وفات -

ظاہر ہے کہ نفی نبوت بزمانہ حیات کی قید لگانے سے زمانہ بعد وفات آزاد رہیگا اور نفی نبوت بعد زمانۂ وفات کی قید عاید کرنے سے زمانہ حیات خارج رہیگا -

لیکن شق ثانی باطل ہے - یعنی نفی نبوت بعد زمانہ وفات کی قید لگا کر حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات کو خارج رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد تو نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت کی حیات میں نبی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ تو بدیہی البطلان ہے۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حیات میں بجز آنجناب کے کوئی نبی برحق نہیں تھا۔ اور جس نے بھی نبوت کا دعوی کیا وہ مفتری علی اللہ تھا۔

لہذا نفی نبوت بعد زمانۂ وفات کی قید لگا کر حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات کو اس سے خارج رکھنا خلاف منشاء حدیث ہے۔ ناچار نفی نبوت غیر بزمانہ حیات سرور عالم کی تعمید لگا کر زمانہ بعد وفات کو اس قید سے خارج رکھنا پڑیگا۔ اور اس صورت میں لا نبی بعدی کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ میری حیات میں یہ تاویل سراسر مطابق منشاء آنحضرت ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کی بابت جناب باری کی درگاہ میں واشرکہ فی امری کی دعاء کی تھی۔ اور خدا تعالے نے ان کی استدعا کے مطابق حضرت ہارون کو اس کا شریک فی الامر بنایا تھا۔ جیسا کہ قال قد اوتیت سؤلک یا موسیٰ ولقد مننا علیک مرۃ اخری پ۱۶ ع ۱۱) سے ظاہر ہے۔ اور جب کبھی حضرت موسیٰ طور پر تشریف لیجاتے تو حضرت ہارون کو اخلفنی فی قومی (پ۹ ع ۹) فرما کر اپنا خلیفہ مقرر کر جاتے۔ اور حضرت ہارون کار نبوت انجام دیتے رہتے۔ حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اس لئے اپنا خلیفہ بنا جاتے کہ قوم بنی اسرائیل پریشان ہو کر کوئی فساد برپا نہ کر دے۔ اور جادۂ شریعت کو چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائے۔ جیسا کہ ان کی گوسالہ پرستی سے ظاہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لگاتار بنی اسرائیل میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں تاکہ ان کو تعلیم دین کا سبق یاد کراتے رہیں۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے فساد کا مطلق اندیشہ نہیں تھا کیونکہ اعملوا ما شئتم ان کے حق میں نازل ہو چکا تھا۔ اور ان کے معتقدات کی بنیاد مضبوط چٹان پر جم چکی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت نے بھی ان کو انتم خیار اھل الارض کی سند عطا کر دی تھی۔ ان میں خلیفہ بنانیکی ضرورت

تعلیم دین کے سبق یاد کرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اصحابہ کلہم عدول تھے۔ اور مجتہد تھے۔ بلکہ محض اس لئے ضرورت تھی کہ کفار قریش اور یہود مدینہ ان کو نہ ستائیں۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت کے فرض منصبی میں کوئی شریک فی الامر نہیں تھا۔ لہذا آں حضرت نے لا نبی بعدی ارشاد فرمایا کہ میرا خدا تعالےٰ نے کوئی شریک فی الامر نہیں بنایا۔ اس لئے میرے تبوک پر جانیکے بعد کوئی شخص کار نبوت نہیں انجام دیگا۔ کیونکہ صحابہ خود مجتہد ہیں۔ ان کو میری غیبت میں نبی کی ضرورت نہیں۔ مسایل دینیہ جس قدر نازل ہو چکے ہیں۔ ان کی کنہ سے وہ کما حقہٗ عارف ہیں۔ ان کے فساد فی الاعتقاد اور فی العمل کا مطلق اندیشہ نہیں۔ بے شک یا علی تم میرے بعد ظاہری انتظام کیلئے ایسے ہو جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ لیکن بنی اسرائیل کو بوجہ ان کے خامی کے ہر وقت مصلح کی ضرورت تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت ہارون کو نبی مقرر فرمایا تھا اور میرے صحابہ پختہ کار ہیں علوم دینی کے ماہر ہیں ان کو میرے بعد نبی کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کو صحابہ کے بہت زمانے کے بعد مبعوث فرمایا۔

بنی اسرائیل میں بوجہ ان کی غفلت کے خدا تعالیٰ کو بار بار ان کی تنبیہہ کیلئے مصلح کے مبعوث کرنیکی ضرورت پیش آتی تھی۔ کیونکہ وہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو بھول جاتی تھی۔ اور صحابہ کرام میں بوجہ ان کی بیداری کے خدا تعالےٰ کو ان کی تنبیہہ کے لئے مصلح کے مبعوث کرنیکی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ کیونکہ وہ قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو نہیں بھولتی تھی۔

یہ ایک بھید ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یکے بعد دیگرے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک جب تک علماء مثل یہود نہیں بن گئے کوئی نبی اسلام میں مبعوث نہیں ہوا۔

دوسرے لفظ قبل و بعد کے بعد کوئی نہ کوئی مصدر مقدر ہوتا ہے جیسے

حبت بعد لک ای جئت بعد مجیئک یا بعد ذھابک وغیرہ۔ قرآن کریم میں ہے
ثم اتخذ تم العجل من بعدہ۔ اے بعد ذہاب موسیٰ چنانچہ۔
(۱) تفسیر مدارک میں ہے۔ ثم اتخذتم العجل من بعدہ بعد ذھابہ الی الطور۔
(۲) تفسیر ابن عباس رض میں ہے۔ ثم اتخذ تم العجل من بعدہ بعد الطلاقہ الی الجبل۔
(۳) تفسیر جلالین میں ہے۔ ثم اتخذتم العجل من بعدہ بعد ذھابہ الیٰ میقاتنا۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے اتخاذ عجل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں کیا تھا۔ نہ بعد وفات پس جس طرح سے ثم اتخذ تم العجل من بعدہ میں بعد موتہ کے معنی لینا جائز نہیں۔ اور کسی مفسر نے بعد موتہ کے معنی لئے بھی نہیں۔ اسی طرح سے حدیث انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی میں الا انہ لا نبی بعد ذھابی الی تبوک کے لئے جاتے ہیں نہ بعد موتی کے۔ معالم التنزیل میں ہے۔ لما رجع موسیٰ الیٰ قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی ای عملتم بعد ذھابی اس کے سوا حدیث کے معنی بن ہی نہیں سکتے۔ اگر یہ معنی لئے جائیں۔ کہ الا انہ لا نبی بعد موتی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میری موت کے بعد تو نبی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میری حیات میں ہونا ممکن ہے۔ جو سراسر باطل ہے۔

تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ حضرت نے یہ حدیث اس وقت بیان فرمائی تھی جبکہ آپ حضرت علی کو مدینہ منورہ میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر غزوہ تبوک پر تشریف لیجا رہے تھے۔ اور ایک منافق نے حضرت علی کو طعنہ دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی کی صحبت سے کارہ ہیں۔ اس لئے علی کو چھوڑ چلے ہیں۔ حضرت علی کو یہ طعنہ ناگوار گذرا تھا اور جاکر عرض کی تھی کہ لوگ مجکو یہ طعنہ دیتے ہیں۔ آپ مجکو اپنے ساتھ لے چلیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو میں

اپنے پیچھے اس طرح سے چھوڑ چلا ہوں۔ جس طرح حضرت موسیٰ اپنے پیچھے حضرت ہارون کو بنی اسرائیل میں چھوڑ کر طور پر تشریف لیجاتے تھے۔ لیکن وہ تو کار نبوت انجام دیتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے شریک فی الامر تھے۔ مگر میرا کوئی شریک فی الامر نہیں۔

الغرض یہ مذہب کوئی جدید مذہب نہیں جس کو ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض صحابہ اور تابعین کا بھی یہی مذہب تھا۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں۔ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ۔ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں اس اثر کے ذیل میں لکھتا ہے وھذا لا ینافی حدیث لا نبی بعدی لانہ اراد لا نبی ینسخ شرعہ۔ یعنی حضرت ام المومنین کا یہ فرمانا کہ تم خاتم النبیین تو کہو مگر ہرگز مت کہو کہ حضرت کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور یہ قول حضرت ام المومنین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لا نبی بعدی کا منافی نہیں۔ کیونکہ لا نبی بعدی کے فرمانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد تھی کہ ایسا نبی میرے بعد نہیں آئیگا کہ جو شریعت کو منسوخ کر سکے۔

الغرض غور کرنے کا مقام ہے کہ جب بعض لوگوں نے لا نبی بعدی سے مطلقہ نبوت کی نفی سمجھی تو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنکی شان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خذوا نصف العلم من ھذہ الحمیرا فرمایا ہے کس قدر ڈانٹ کر فرمایا کہ خاتم النبیین تو کہو۔ مگر لا نبی بعدی مت کہو جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین اس حدیث سے مطلقہ نبوت کی نفی نہیں سمجھتی تھیں۔

بعض نادان یہ عذر اٹھاتے ہیں کہ حضرت ام المومنین اس مسلک میں تنہا ہیں اس لئے ہم ایک دوسرے صحابی کا مذہب بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ ہیں۔ جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔ عن شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل عند المغیرۃ ابن شعبۃ صلی اللہ علی محمد خاتم الانبیاء

لا نبی بعدہ فقال المغیرۃ حسبك اذا قلت خاتم النبیین فانا کنا نحدث ان ابن مریم خارج فان خرج فقد کان بعدہ۔ یعنی شعبی رضی اللہ عنہ جو کبار تابعین میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص یہ کہنے لگا جناب محمد پر اللہ تعالیٰ کا درود ہو۔ آپ خاتم النّبیّین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت مغیرہ فرمانے لگے تجھے خاتم النّبیّین کہنا کافی ہے اور لا نبی بعدہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے کہ حضرت ابن مریم علیہ السلام مبعوث ہونے والے ہیں۔ جب وہ مبعوث ہوں گے تو آنحضرت کے بعد وہ نبی ہوں گے۔ ان دو اثروں سے امور مندرجہ ذیل ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) خاتم النبیین کے معنی سب سے پچھلا نبی نہیں ہے۔

(۲) لا نبی بعدی میں مطلقہ نبوت کی نفی نہیں ہے بلکہ مقیدہ نبوت کی نفی ہے۔

(۳) مقیدہ نبوت کی نفی متعلق زمانہ حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ متعلق زمانہ بعد وفات۔

(۴) آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

(۵) نبی غیر تشریعی کی بعثت کے لئے دروازہ بند نہیں۔

(۶) صحابہ اور تابعین کو حضرت مسیح موعود کی آمد کا انتظار لگا ہوا تھا۔

(۷) صحابہ اور تابعین حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ اعتقاد کرتے تھے۔

اختلاف روایت لا نبیّ بعدی لفظاً و معناً!

یہ حدیث مذہب امامیہ کا فونڈیشن سٹون ہے۔ انہیں کی روایتوں میں اس حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل صورتوں میں پائے جاتے ہیں

(۱) الا انہ لا نبی بعدی۔ یہ روایت بعینہ ایسی ہے جو صدر میں درج ہو چکی ہے

(۲) دوسری روایت میں انك لست نبیًّا آیا ہے۔ چنانچہ بحار الانوار صفحہ ۲۸۰
میں ہے۔ روی عن احمد بن عبد الوهاب یرفعہ الی حمر بن میمون عن
ابن عباس قال اخرج الناس فی غزاة تبوك فقال علی یعنی النبی صلی اللہ علیہ
وسلّم اخرج معك فقال لا فبکی فقال لہ الا ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلہ هارون
من موسیٰ الّا انك لست نبیًّا۔ (باب اخبار المنزلہ والاستدلال علی امامتہ)

اب دیکھو واقعہ تو وہی غزوہ تبوک کا ہے مگر ایک راوی لا نبی بعدی اور دوسرا
لست نبیًّا روایت کرتا ہے۔ اگر لست نبیًّا کو صحیح مان لیا جائے تو پھر آپکی
وفات کے بعد نبی کے ہونیکی نفی کیلئے یہ حدیث نہیں رہتی۔ اور لا نبی بعدی کی
حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور نفی نبوت مطلقہ جاتی رہتی ہے۔

(۳) تیسری روایت میں الا انّہ لا نبی معی آیا ہے۔ چنانچہ بحار الانوار صفحہ ۲۷۷
میں بحوالہ امالی الشیخ مفید لکھا ہے۔ عن محمّد ابن المنکدر قال سمعت سعید
ابن المسیب یقول لسعد ابن ابی وقاص اسمعت من رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول لعلی انت منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ الا انہ
لا نبی معی قال نعم۔ اور ایک روایت میں لیس نبی معی آیا ہے۔

اب دیکھو کہ لا نبی بعدی اور لا نبی معی دونوں روائیتیں حضرت سعد
ابن ابی وقاص سے مروی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کا
ذکر ہے۔ لا نبی بعدی تو خود ان کے الفاظ ہیں۔ اور لا نبی معی سعید
ابن المسیب کے الفاظ ہیں۔ جو سعید ابن المسیب نے اپنے سوال میں حضرت
سعد سے بیان کئے ہیں۔ اور حضرت سعد نے ان کی تکذیب نہیں کی بلکہ تصدیق
کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی آنحضرت کی
وفات کے بعد نفی نبوت آئندہ کے قائل نہیں تھے اور اگر قائل ہوتے تو ضرور
سعید ابن مسیب کو ٹوک دیتے۔ کہ نہیں۔ حضرت نے لیس نبی معی نہیں فرمایا
بلکہ لا نبی بعدی فرمایا ہے۔ اور دوم خیر التابعین سعید ابن مسیب کا بھی یہ مذہب

نہیں تھا - کہ حضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا - سوم وہ لا نبی بعدی کے معنی لا نبی معی سمجھتے تھے - جسکی تفصیل دوسری حدیث میں درج کیجائیگی -

دوسری حدیث

یہ ہے - عن عقبۃ بن عامر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان نبی بعدی لکان عمر لیکن اس حدیث پر قطع نظر اس کے کہ اس کے راوی کیسے ہیں غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم بھی مقید بحیات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور لفظ بعد کے معنی اس حدیث میں مع کے ہیں - جیسا کہ تاج العروس و اقرب الموارد وغیرہ کتب لغت میں ہے قال القالی فی امالیہ فی قول المضرب ابن کعب ۔ نقلت لہا فیبی الیک فانی - حرام وانی بعد ذلک لبیب - اے مع ذالک - تاج العروس میں ہے وتاتی بمعنی مع کقولہ تعالیٰ - فمن اعتدی بعد ذلک - اے مع ذلک اور مصباح میں ہے عتل بعد ذلک زنیم - ای مع ذلک - علاوہ بریں لا نبی بعدی میں لا نبی معی پہلی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے -

پس اس حدیث اور حدیث مذکورہ بالا میں لا نبی بعدی کے معنی میرے ساتھ کوئی نبی نہیں کے ہیں - اور اس حدیث میں لو کان نبی بعدی کے معنی اگر میرے ساتھ کوئی نبی ہوتا کے ہیں

ان دونوں حدیثوں میں نبوت غیر کی نفی آنحضرت کے زمانہ حیات ہی کے متعلق ہے نہ زمانہ بعد الممات کے اس لئے دونوں حدیثیں بھی کسی آیندہ نبی کی عدم نبوت پر دلالت نہیں کرتیں - کہ جن کی وجہ سے خاتم النبیین کے معنی سب نبیوں سے پچھلے نبی کے کئے جائیں -

---

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا -

(تیسری حدیث)

وہ ہے جس کو خطیب اور دیلمی اور ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔ اور جس میں لفظ آخر النبیین مروی ہے اور چونکہ ختم کے معنی بلغ آخرہ کے ہیں۔ اس لئے خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کرنے ہی مستحسن ہیں
اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ختم بمعنے بلغ آخرہ سے آخری حد کمال نبوت کو پہونچ جانا مراد ہے اور خاتم النبیین کے معنی ختم کنندہ نصاب نبوت ہیں جیسے کہ ایک کامل ولی کو خاتم الاولیاء کہا جاتا ہے۔ جس سے مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ ولی تمام اولیاء اللہ سے سرآمد اور ختم کنندہ نصاب ولایت ہے جیساکہ تفسیر صافی میں بذیل آیت خاتم النبیین یہ حدیث درج ہے۔ فی المناقب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا خاتم الانبیاء وانت یا علی خاتم الاولیاء۔ لیکن یہ مسلم امر ہے کہ تمام امامیہ اثنا عشریہ باقی آیمہ کو جو حضرت علی رضہ کے بعد ہوئے ہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی تفسیر میں بذیل آیت الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ خود حضرت علی کی ایک حدیث درج ہے عن امیر المومنین ھم نحن واتباعنا۔ اب باوجود آیمہ کے اولیاء اللہ ہونے کے حضرت علی کا خاتم الاولیاء ہونا صاف اس بات کی دلیل ہے۔ کہ خاتم الاولیاء کے معنی ختم کنندہ نصاب ولایت کے ہیں۔ نہ سب سے پچھلے ولی کے۔ اور اگر خاتم الاولیاء کے معنے سب سے پچھلے ولی کے کئے جائیں۔ تو باقی آیمہ کی ولایت پر حرف آتا ہے۔ پس جس طرح کی حضرت علی کی ختم ولایت ہے ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا اپنے آپ کو خاتم الانبیاء کہا ہے ویسا ہی حضرت علی کو خاتم الاولیاء ارشاد فرمایا ہے۔ پس ایک جگہ خاتم کے معنی آخر کے۔ اور دوسری جگہ خاتم کے معنی ختم کنندہ نصاب کے لینے ٹھیک نہیں۔ حضرت علی کو خاتم الاولیاء مان کر پھر حضرت علی کے بعد اولیاء اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا اور

کہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور یا علی تم خاتم الاولیاء ہو ۱۲ ... اور یہاں ... ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مان کر پھر آنحضرت کے بعد انبیاء اللہ کے وجود کو نہ تسلیم کرنا العجب کل العجب بین الجمادی والرجب حیرت انگیز اعتقاد ہے۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاتم الانبیاء ہونے کو حضرت علی کے خاتم الاولیاء ہونے کے مقابل بیان فرمایا ہے۔ پس جو معنی خاتم الاولیاء کے لئے جاتے ہیں انہیں کے مطابق خاتم الانبیاء کے معنی ہی لینے چاہیئے۔ کیونکہ حضرت نے خاتم الاولیاء کے معنی ختم کنندہ نصاب ولایت لئے ہیں۔ پس خاتم الانبیاء کے معنی ختم کنندہ نصاب نبوت ہی لینے چاہیئے اس کے علاوہ یہود کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھو کہ وہ بھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیین ہی لقب سے یاد کرتے تھے۔ مگر اس کے معنی پچھلے نبی کے نہیں لیتے تھے۔ بلکہ سرآمد انبیاء کے معنی لیتے تھے چنانچہ مجمع البیان طبرسی میں بذیل آیت خاتم النبیین درج ہے۔

ان الیھود یدعی موسیٰ مثل ذلک وھم مع ذلک یجوزون بعدہ انبیاء یعنے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ اور باوجود اس اعتقاد کے حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کا ہونا تجویز کرتے تھے۔ اب یہود کا حضرت موسیٰ کو خاتم النبیین مان کر حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کے ہونے کو جائز سمجھنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہود خاتم النبیین کے معنی ختم کنندہ نصاب نبوت کرتے رہے ہیں نہ پچھلے نبی کے۔

شاید اہل سنت والجماعۃ اعتراض کریں کہ یہود اور امامیہ مذہب کے معتقدات سے ہمیں کیا مطلب ہے۔ ہمارے اکابر تو خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہی کرتے رہے ہیں ہم کو اپنے مذہب کے محاورات سے سروکار ہے نہ غیر قوموں کے محاورات سے۔

سو ہمارے اہل سنت احباب کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کہ آپ فرماتی ہیں:۔ قولوا خاتم

النبیین ولا تقولوا انه لا نبی بعدہ ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کنندہ لقصاب نبوت مانتی رہی ہیں نہ سب سے پچھلا نبی ۔ اور اسی طرح سے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کنندہ نصاب نبوت مانتے رہے ہیں ۔ نہ سب سے پچھلا نبی ۔ جیساکہ صدر میں بیان ہو چکا ہے ۔ مانذ انکے نزدیک خاور عرب میں خاتم بھی سرآمد بھی تھا۔

(مناظرہ)

اس موقعہ پر مجکو ایک مناظرہ یاد آگیا ہے کہ تخمیناً پنتالیس سال کا عرصہ ہوا ہے کہ سلیمان یہودی جو عبرانی زبان کا فاضل اور عربی سے واقف تھا۔ امرتسر میں آنکلا۔ ایک روز میرے مواجہ میں مولوی ابراہیم حسین پانی پتی عربک ہیڈ ٹیچر گورنمنٹ اسکول امرتسر سے جو مذہب امامیہ کے پیش نماز تھے ۔ گفتگو کرنے لگا۔ اتفاقاً الیاس مسیح عیسائی بھی اس وقت موجود تھا۔

سلیمان کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بائبل سے کس طرح ثابت کرتے ہیں ؟۔

مولوی صاحب نے عہد نامہ عتیق کی کتاب استثناء میں سے یہ درس پیش کیا ” خداوند خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اس کی طرف کان دھریو (۱۸ب) اور کہا کہ چونکہ بنی اسرائیل میں جیساکہ اسی کتاب استثناء کے آخر میں درج ہے ” موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا۔ اور حسب وعدہ اٹھنا ضروری تھا۔ اس لئے خداتعالےٰ نے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ اس کے بھائیوں بنی اسمٰعیل سے نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ برپا کر کے اپنا وعدہ پورا کیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً ہم نے تمہاری طرف رسول بتیر گواہی دینے والا بھیجا ہے جیساکہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا

سلیمان کہنے لگا تم نبی عرب کو مثیل موسیٰ کس طرح قرار دے سکتے ہو ۔ کیونکہ ہم بوجہ سرگروہ انبیاء بنی اسرائیل ہونے کے حضرت موسیٰ کو خاتم النبیین کہتے

ہیں۔ جیسا کہ آپ کی تفسیر مجمع البیان میں بھی درج ہے اور آپ بوجہ آخر انبیاء ہونے کے نبی عرب کو خاتم النبیین کہتے ہو؟۔

سرآمد انبیاء ہونا باعث فضیلت ہے۔ آخر انبیاء ہونے میں کونسی فضیلت ہے، یہ الیاس مسیح عیسوی مذہب ہے نہ آپ سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ ہم سے۔ اس سے پوچھ لو کہ (ملاکی) نبی تمام انبیاء بنی اسرائیل سے آخری نبی ہیں۔ مگر ان کو نہ یہود اور نہ نصاریٰ کوئی حضرت موسیٰ کا ہم رتبہ نہیں جانتا۔ تم آخری نبی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل یا ہم رتبہ کس دلیل سے مانتے ہو؟۔

اور اگر آخری نبی ہونا ہی باعث فضیلت ہے تو آپ بھی یہود اور نصاریٰ کی طرح یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ شہزادہ مسیح آنے والا ہے پس آخری نبی مسیح ہوگا۔ نہ نبی عرب؟۔

دوئم ہم حضرت موسیٰ کو رحمۃ للعالمین کہتے ہیں۔ اور آپ نبی عرب کو بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہو۔ مگر حضرت موسیٰ کا رحمۃ للعالمین ہونا تو اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ نبوت کا دروازہ جو خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ۔ یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء بنی اسرائیل کے منہ پر کھول گئے۔

برخلاف اس کے نبی عرب بنی اسمٰعیل اور بزعم آپ کے دیگر اقوام دنیا کے منہ پر رحمت کا دروازہ بند کر گئے ہیں۔

عالم کے منہ پر باب نعمت الٰہی کے بند کرنے والے کو مقابل باب نعمت الٰہی کے کھولنے والے کے کیا فضیلت ہو سکتی ہے؟۔

(سوئم) ہم حضرت موسیٰ کو سید المرسلین کہتے ہیں۔ تم اسی خطاب سے نبی عرب کو یاد کرتے ہو۔ مگر حضرت موسیٰ اور ان کی توریت اور ان کی شریعت کے تابع تو ہزارہا انبیاء بنی اسرائیل میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ جس کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے۔ انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدًی و نور یحکم بھا النبیون۔ لیکن بنی اسمٰعیل سے

کونسا نبی بنی عرب کی شریعت کا تابع ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے تم نبی عرب کو حضرت موسیٰ کا مثیل اور ہم مرتبہ اعتقاد کرتے ہو۔

(چہارم) حضرت موسیٰ کی افضلیت کی تصدیق تو ہزارہا انبیاء بنی اسرائیل نے کی ہے۔ اور خود نبی عرب نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ مگر آپ ازراہ کرم کسی نبی کا نام بتائیں جس نے کھلے لفظوں میں نبی عرب کی تصدیق افضلیت کی ہو۔

(پنجم) حضرت موسیٰ کی نبوت کی شہادت انبیاء بنی اسرائیل اور انبیاء بنی اسمٰعیل ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ اس نبی کا نام لیں کہ جس نبی نے نبی عرب کی نبوت کی شہادت دی ہو۔ پھر نبی عرب کو آپ حضرت موسیٰ کا مثیل کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اگر یہ کہو کہ ہمارے علماء امت انبیائے بنی اسرائیل جیسے تھے انہوں نے تصدیق کی ہے اور انہوں نے نبی عرب کی شہادت دی ہے۔ تو یہ بات ہرگز قابل پیش کرنے کے نہیں ہے۔ کیونکہ علماء بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ کی نسبت شہادت دی ہے۔ علماء کا مقابلہ علماء سے ہونا چاہیئے نہ انبیاء سے۔

دوئم آپ خود تسلیم کرتے ہو کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اور علماء غیر معصوم ہوتے ہیں غیر معصوم کی شہادت معصوم کی شہادت کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے۔ اور اگر کہو کہ ہمارے آئمہ کرام اگرچہ انبیاء نہیں تھے مگر انبیاء سے افضل تھے۔ جیسے کہ آپ کے اماسیہ مذہب کے علماء کا اعتقاد ہے۔ اول تو یہ عقیدہ قرآن شریف کے برخلاف ہے۔ قرآن شریف نے الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین کہہ کر انبیاء کے مراتب کو اول بیان کیا ہے اور یہ اولیت افضلیت کی دلیل ہے۔

سوم اگر غیر نبی نبی سے افضل ہوتا ہے تو امم سابقہ میں اس کی نظیر پیش کرو۔

اس دل خراش تقریر کو سن کر مولوی صاحب مبہوت رہ گئے۔ اور میرا سینہ قلق سے بھر گیا۔ ازاں بعد اکثر علمائے فحول کے سامنے میں نے اس تقریر کو پیش کیا۔ بعض نے تو یہ جواب دیا ؎ ہرکس کہ بقرآں و خبر زو نہ رہی۔ آنست جوابش کہ جوابش

بعض سنکر خاموش رہ گئے۔ لیکن میرا قلق اس وقت رفع ہوا۔ جبکہ جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے دعوی بنوت فرماکر۔ خاتم النبیّین کے حقیقی معنوں کا یوں انکشاف فرمایا۔ (مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم النبیین ہیں۔ ایک تو کمالات نبوت ان پر ختم ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانیوالا رسول نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا نبی ہے۔ جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ وہ امتی کہلاتا ہے۔ نہ مستقل نبی (چشمہ معرفت) مگر افسوس ہے کہ آج اس جری اللہ فی حلل الانبیاء کی چشم مبارک بند ہوتے ہی اس کے متبعین کی جماعت میں سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو شوخ چشمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت پر پھر پردہ پوشی کرنے کی کوشش میں لگاتار دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ کہ خواہ فضیلت ثابت ہو یا نہ ہو آپ سب سے پچھلے نبی ہیں۔ اور ان کی امت میں نبی نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی امت کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اور اگر مل سکتی ہے تو ویسی ہی جیسے کہ دوسرے انبیاء کی امتوں کو ملتی رہی ہے۔ اس امر میں حضور علیہ السلام کو دیگر انبیاء سے نہ کوئی خصوصیت ہے اور نہ دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے جن کا کام بات بات میں اپنے مرشد اور ہادی سیدنا مسیح موعود کی پرزور مخالفت کرنا ہے۔ اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی قسم کی بنوت کا دروازہ کھلا ہے جس قسم کی بنوت دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں رہی ہے۔ انتہیٰ کلامہ"

اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی کے صہ۲۵ پر یوں تحریر فرماتے ہیں "اس کی امت کے لئے کبھی قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ہے۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی بنوت مل سکتی ہے۔ جس کے لئے امتی ہونا ضروری ہے۔

بعض بعض × × × غیر مبایعین تو یہاں تک کہہ اٹھتے ہیں کہ لا تغلوا فی

دیکھو۔ تم مسیح موعود کی نبوت تو ایک طرف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اس قدر بڑھاتے ہو کہ تمام انبیاء سے افضل جانتے ہو۔ یہ سراسر غلو ہے۔ قرآن میں سیّد المرسلین کہاں لکھا ہے۔ تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھاتے ہو۔ و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اگر باوجود ان ادلہ قطعیہ کے اسی بات پر اصرار کیا جائے کہ نہیں خاتم النبیین کے معنی سب نبیوں سے پچھلے نبی کے ہیں لیکن۔

(اول) تو ان معنوں سے سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت نمایاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ محض تاخر زمانی نہ منجملہ متممات ذات ہے اور نہ منجملہ متممات صفات کمالات ہے اور آخر النّبیّین ہونا بمقابلہ اول النبیین ہونے کے نہ موجب شرف ہے اور نہ موجب فضل بلکہ مشہور مقولہ ہے۔ ان الفضل للمتقدم۔

(دوئم) اگر خدا تعالیٰ کو سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کا محض تاخر زمانی بیان فرمانا مقصود ہوتا۔ اور کسی فضیلت کا اظہار ملحوظ نہ ہوتا تو بجائے خاتم النبیین کے خاتمۃ النّبیّین ارشاد فرماتا کہ بہ نسبت خاتم النّبیّین کے خاتمۃ النّبیّین کی دلالت اوضح علی المقصود ہوتی۔ کیونکہ لفظ خاتم متعدد معنوں پر دلالت کرتا ہے جیسے ما یوضع علی الطینۃ۔ نقش نگین۔ انگشتری۔ خاتمہ وغیرہ۔

اس لئے لفظ خاتم کی دلالت معنی تاخر زمانی پر بخلاف لفظ خاتمہ کے اخفیٰ ہے اور چونکہ لفظ خاتمہ کے معنی بجز آخر کے اور کچھ نہیں ہیں۔ اس لئے لفظ خاتمہ کی دلالت آخر کے معنے پر بہ نسبت لفظ خاتم کے اوضح ہے۔ اور ایسے امر اہم کے اظہار کیلئے لفظ اوضح علی الدلالۃ ہی استعمال میں لانا طریق انسب تھا۔ تاکہ دوسرے معانی کی گنجایش ہی نہ رہتی

(سوم) آخر النّبیّین کا مفہوم بھی افضل الانبیاء ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نہ سب سے پچھلے نبی ہونے پر۔ بخاری میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی آخر الانبیاء و مسجدی آخر المساجد۔ باب فضل الصلوۃ فی مسجد مدینہ (جلد اول)۔ اس حدیث میں آخر المساجد کے جو معنی لئے جاسکتے ہیں وہی معنے

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر مساجد ہے۔

آخرالانبیاء کے لینے چاہیئے۔ آخر المساجد کے معنی یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتے کہ میری مسجد سب مساجد سے پچھلی مسجد ہے۔ اور اب اس مسجد کے بعد دوسری مسجد کا تعمیر ہونا اور وجود میں آنا جائز نہیں۔ غالبًا یہ مفہوم تو حضور علیہ السلام کی منشاء کے برخلاف ہے۔ اور کوئی مسلمان بھی یہ معنی نہیں لے سکتا۔ ورنہ تمام مساجد کی تعمیر جو مسجد نبوی کے بعد عمل میں آئی ہے ناجائز ٹھہرے گی۔ پس جبکہ آخر المساجد کا مفہوم دیگر مساجد کے وجود میں آنے سے مانع نہیں تو آخرالانبیاء کا وجود بھی دیگر انبیاء کے وجود میں آنے سے مانع نہیں۔ اس لئے آخر المساجد کے معنے افضل المساجد کے لینے درست ہیں۔ اور آخر الانبیاء کے معنی افضل الانبیاء ہی کرنے زیبا ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ خاتم القوم کے معنی محاورہ عرب میں افضل القوم سمجھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ خاتم الاولیاء اور آخر المساجد سے واضح ہے۔

(حقیقۃ الختم)

بیضاوی لکھتا ہے:۔ الختم والکتم سمی بہ الاستیثاق من الشیٔ بضرب الخاتم علیہ لانہ کتم لہٗ والبلوغ الاآخر نظرًا الی انہ اخر فعل یفعل نی احرازہ

ختم اور کتم کا اطلاق کسی چیز پر مہر لگا کر اس کے (استیثاق) استوار کر دینے پر کیا جاتا ہے کیونکہ وہی اس کا چھپا دینا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ مہر آخری فعل ہے۔ جو کسی چیز کی نگہداشت میں کیا جاتا ہے نیز (البلوغ الاخر) یعنی کسی چیز کے آخر حد تک پہونچنے پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام الختم کے معنی کسی چیز کا چھپا دینا یا انجام تک پہونچا دینا ہے

بیضاوی نے یہ تعریف کسی قدر تغیر کیساتھ کشاف سے لی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے (الختم والکتم اخوان) ختم اور کتم دونوں ایک ہیں یعنی مرادف ہیں۔

یہ تعریف لفظی ہے۔ کیونکہ (کتم) بہ نسبت (ختم) کے پوشیدہ کرنے کے معنوں میں زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ اس مناسبت معنوی کے علاوہ ان دونوں میں بوجہ توافق عین کلمہ و لام کلمہ اشتقاق اکبر موجود ہے۔

بیضاوی اور کشاف کی عبارت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ختم اور کتم دونوں مرادف

ہیں۔ لیکن جب غور کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ختم کی حقیقت اور ہے۔ اور کتم کی اور ہے۔

ختم کی حقیقت صرف اتنی ہے الوسم بطابع والاثر الحاصل من ذالک (مہر سے نشان کرنا اور جو اثر کہ اس سے حاصل ہو) اور کتم کی حقیقت زد الستر والاخفاء) پوشیدہ کرنا اور چھپا دینا ہے۔ اور حقیقت میں یہ دونوں امر متغایر ہیں لہذا الختم اور الکتم مرادف نہیں ہو سکتے۔

فتوی جواب دیتا ہے۔ لکنہ لما لزمہ ذالک کانہ عینہ مبالغۃ" یعنی چونکہ ختم کو کتم لازم ہے۔ اس لئے مجازاً مبالغہ کے طور پر ختم کی تفسیر لفظ کتم سے کی گئی ہے۔

خیر ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ختم مرادف کتم ہے اور کتم کے معنی الستر والاخفاء ہیں۔ پس اس صورت میں خاتم النبیین کے معنی ساتر النبیین ہوں گے اور انہیں معنوں کو ابو البقاء نے کلیات میں لیکر لکھا ہے۔ والاحسن انہ من الکتم لانہ ساتر الانبیاء بنور شریعتہ کالشمس تستر بنورھا الکواکب کما انھا تستضئ بھا۔ یعنی ختم کو کتم ہی کے معنوں میں لینا اچھا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام اپنی شریعت کے نور سے ساتر الانبیاء ہیں۔ جیسے کہ آفتاب اپنے نور سے ستاروں کو چھپا دیتا ہے۔ جیسے کہ وہ اس کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ لاریب حضور علیہ السلام کی شریعت غرا بوجہ جامعیت ساتر شرائع انبیائے سابقہ ہے۔ اور اکمال شریعت نے تشریعی نبی کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔ لیکن تابع شریعت غیر تشریعی انبیاء کی بعثت پر کونسا محذور شرعی یا عقلی لازم آتا ہے۔

بلکہ حضور علیہ السلام کی ذات حقیقی ساتر الانبیاء کی مصداق اسی وقت ہو سکتی ہے جب حضور کی امت کے درمیان بعض انبیاء امتی ہونے کے لباس میں ایسے مستور ہوں کہ بعض کوتاہ نظران کو محض امتی اور بعض حدید البصران کو نبی کہتے ہوں ورنہ انبیائے گذشتہ حضور کی بعثت سے پہلے قد خلت کے حجاب میں پہلے ہی سے مستور

و محجوب ہو چکے ہیں۔

اب الختم کی تصریح الاستیثاق کے ساتھ کرنے میں جو استیثاق کی گت بنائی جاتی ہے وہ بھی قابل کم مضحکہ نہیں۔ بیضاوی اور کشاف کے شراح لکھتے ہیں اطلق علیہ الختم مجازاً) یعنی ختم کا اطلاق استیثاق کے معانی پر حقیقی نہیں بلکہ مجازاً ہے۔ اور استیثاق کے معنی لغت میں از کسی وثیقہ طلب داشتن کے ہیں۔ دیکھو صراح اور ختم کے معنی استیثاق پر یوں چسپاں کئے جاتے ہیں لان المستوثق اخذ مما یختم علیہ وثیقۃ وعھداً انی ان لا یظھر ما فیہ۔ گویا مہر لگانے والا جس چیز پر مہر لگاتا ہے اس سے اقرار لے لیتا ہے کہ جو کچھ بھی اس میں ہے ظاہر نہ کرے۔ ومن فعل ذلک صار ذا وثوق۔ اور جو ایسا کرتا ہے وہ صاحب وثوق ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام مستوثق مہر لگانے سے پہلے تو طالب وثوق ہوتا ہے۔ مگر مہر لگانے کے بعد صاحب وثوق ہو جاتا ہے۔ یعنی استیثاق میں پہلے تو طلب تھی پھر مہر لگاتے ہی اس میں صیرورت آگئی۔ جس کی نسبت ایک شارح لکھتا ہے کون معناہ طلب الوثوق وکون بنائہ للصیرورۃ مما یتنافیان۔ یعنی استیثاق کے معنے طلب الوثوق کے لے کر پھر اس کی بناء کا صیرورت کے لئے تسلیم کرنا دونوں باہم منافی ہیں بیشک باب استفعال کے خواص میں سے طلب بھی ہے اور صیرورت بھی ہے لیکن یہ دونوں ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہذا ختم کی تصریح استیثاق کے ساتھ کرنا خالی از تکلف نہیں۔

---

۵ چونکہ بیضاوی نے لکھا ہے الختم والکتم سمی بہٖ لاستیثاق یعنی استیثاق کا نام ختم اور کتم ہے اس کی نسبت ابن شہاب لکھتا ہے وسمی بہ بمعنی اطلق علیہ واستعمل فیہ والتسمیۃ تکون بھذا المعنی وبمعنی وضع العلم والمراد الاول یعنی سمی بہ کے معنی اس عبارت میں اطلق علیہ واستعمل فیہ کے ہیں اور تسمیہ کا لغت ان معنوں اور نام رکھنے کے معنوں میں دونوں طرح سے آتا ہے۔ اور اس عبارت میں پہلے معنی مراد ہیں اور بس۔

ماسوائے اس تکلف کے جو معنی ہمارے علماء اس آیت کریمہ کے کرتے ہیں۔ وہ اور بھی حیرت افزا ہیں۔ کیونکہ ختم اور کتم استیثاق ہے۔ اور استیثاق وثیقہ گرفتن از کسے ہے۔ اور خاتم کا المستوثق اخذ احما یختم علیہ وثیقۃً وعہداً انی ان لا یظہر ما فیہ ہے۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی ہوئے کانہ المستوثق اخذ بختمہ علے النّبیّین وثیقۃ انی ان لا یظہر وکن ما فیھم۔ اب سوال ہوگا کہ ما فیھم کیا چیز ہے؟ تو بجز اس کے جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ شرائع اور احکام ہیں پس صورت تاویل یہ ہوگی اخذ بختمہ علی النّبیّین وثیقۃ انی ان لا یظہروا ما فیھم من الشرایع والاحکام۔ اب خود ہی بتاؤ کہ شرایع اور احکام کا کتمان و من اظلم ممن کتم شہادۃ عندہ من اللہ کی وعید کے نیچے آتا ہے یا نہیں؟ علاوہ بریں خاتم النّبیّین کو مرادف کاتم النّبیّین سمجھنا کیا انبیاء گذشتہ کی نسبت صادق آسکتا ہے؟۔

پس اگر ختم کے معنی استیثاق ہی کے لینے ضروری سمجھے جاتے ہیں تو کیوں وہ راستہ اختیار نہیں کیا جاتا جو بالکل صاف اور ہموار ہے۔ وہو ہذا۔

جب کہ استیثاق کے معنی طلب میثاق کے ہیں۔ تو خاتم النّبیّین بکسر التاء کے معنی یوں کیوں نہ کئے جائیں کانہ المستوثق اخذ بختمہ علی النبیین میثاقاً و عہداً انی ان یومنن بہ کما اخذ اللہ میثاق النبیین حیث قال واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال اقررتم واخذتم علی ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشہدوا وانا معکم من الشاہدین۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام کا یہ مذہب ہے کہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبی گذرے ہیں۔ سب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا یہ عہد لے لیا تھا۔

کہ اگر رسول کریم ان کے عہد میں مبعوث ہوں تو ان کو آنحضرت پر ایمان لانا پڑیگا۔
علامہ جلال الدین السیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں[بلہ] اخرج ابن جریر عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ قال لم یبعث اللہ نبیاً ادم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لئن بعث وھو حی لیومنن بہ ولینصرنہ ویامرہ لیاخذ العھد علی قومہ۔ زرقانی میں ہے، ان یکن النبی حیاً فی بعثۃ نبینا لابد ان یومن بہ ولینصرہ۔

یا خاتم بالفتح ہے اور مستوثق ذات باری ہے اور آیت کا یہ مفہوم ہے۔
[علہ] اخذ اللہ بھذ الخاتم میثاقاً علی النبیین فی ان لا یظھروا اصراً مخالفاً لشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت میں یہ عہد انبیائے لاحقین سے متعلق ہوگا۔

اب دوسرے معنی یعنی البلوغ الی آخرہ کی نسبت عرض ہے۔ اس کی نسبت فتوی لکھتا ہے۔ عطف علی الاستیثاق ای سمی بہ البلوغ الی آخرہ مجازاً فان الختم وان اشتھر فی البلوغ الی الآخر حتی صار حقیقۃً فی العرف مطلقاً او فی عرف اللغۃ لکنہ مجاز بحسب اصل اللغۃ یعنی اس کا عطف استیثاق پر ہے یعنی ختم کا اطلاق البلوغ الی آخرہ کے معنی پر بھی مجازاً ہوتا ہے۔ اگرچہ ختم البلوغ الی آخرہ کے معنی میں مشہور ہے حتی کہ عرف مطلق اور عرف لغت دونوں میں ختم کے حقیقی معنی البلوغ الی آخرہ اور بانجام رسانیدن اور پورا کرنے کے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اصل وضع اور اصل لغت میں یہ معنی حقیقی ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی الختم کے صرف وضع الخاتم علی الشیٔ ہیں۔ دیکھو المغرب
یعنی کسی چیز پر مہر کر دینا ۔۔۔۔۔۔۔ جبکہ
ختم سے کبھی استعارہ قساوت کا اور کبھی کسی چیز کے استیثاق یعنی بند کرنے کا اور کبھی بلوغ الی آخرہ کا اور کبھی کسی چیز کے پوشیدہ کرنے کا لیا جاتا ہے تو پھر اس آیت میں ختم سے شہادۃ اور تصدیق کا استعارہ کیوں نہ لیا جائے۔ امام مطرزی

لکھتا ہے۔ ومنہ ختم الشھادۃ ذلک علی ماذکر الحلوانی۔ ان الشاھد کان اذا کتب اسمہ فی الصک جعل اسمہ تحت رصاص مکتوبًا ووضع علیہ نقش خاتمہ حتی لا یجری فیہ التزویر والتبدیل (المغرب) یعنی جیسا کہ حلوانی نے ذکر کیا ہے۔ لفظ ختم سے ختم الشھادۃ یعنی شہادت کی مہر بھی ماخوذ ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ جب کوئی گواہ اپنی شہادت درج کر چکتا تو پہلے اپنا نام کاغذ پر لکھ لیتا۔ پھر اس نام پر قلعی کا ایک باریک پترا رکھکر اس پر اپنی مہر لگا دیتا۔ تاکہ کوئی اس کو بدل نہ سکے اور نہ جعل بنا سکے۔

صاحب مجمع البیان لکھتا ہے ان المراد بالختم علی القلوب شھد علیھا وحکم بانھا لا یقبل الحق کما یقال اراک تختم علی کل ما یقولہ فلان ای تشھد بہ وتصدقہ وقد ختمت علیک بانک لا تعلم ای شھدت وذالک استعارۃ یعنی ختم علی القلوب سے مراد ان لوگوں پر گواہی دینا ہے۔ کہ وہ حق نہیں قبول کرتے ہیں عرب میں بولتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو کچھ بھی فلاں شخص کہتا ہے تو اس پر مہر کر دیتا ہے۔ یعنی تو گواہی دیتا ہے یعنے تو اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اسی طرح سے یہ بھی محاورہ ہے۔ بحقیق میں نے مہر کر دی ہے کہ تو کامیاب نہیں ہو گا۔ اس فقرہ کے معنی بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کامیاب نہیں ہو گا اور یہ ایک استعارہ ہے[1]۔ پس حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ولکن نبیًا ختم النّبیّین کے معنی بجز اس کے اور کوئی نہیں بن سکتے کہ آپ نبی ہیں انبیاء کی تصدیق کرنے والے اور ان کی سچائی پر مہر کرنے والے یعنی شہادت ادا کرنے والے ہیں۔ اور خاتم النّبیّین کے معنی نبیوں پر مہر کرنے والے یعنی انکی حق میں شہادت ادا کرنے والے اور ان کے مصدق کے ہیں۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ خاتَم النّبیّین یا خاتِم النبیین یا ختم النّبیّین

---

[1] امام راغب نے بھی مفردات میں ان معنوں کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ وقال بعضھم ختمہ شھادۃ اللہ تعالیٰ انہ لا یؤمن۔

اور جن احادیث میں ختم بی النبیون روایت ہوا ہے - ان کے الف ولام پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

(الف ولام)

(اول) جب کہ استغراقی تسلیم کرتے ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا تو کیوں اس پر زور دیا جائے - کہ استغراقی ہے۔

(دویم) سیاق آیت میں کوئی قرینہ الف لام استغراقی لینے کے کیلئے موجود نہیں

(سویم) اس آیت میں الف لام استغراقی لینے پر بکثرت اعتراض وارد ہوتے ہیں - جن کے رفع کرنے میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں - جنکا ذکر سابقاً ہو چکا ہے۔

(چہارم) قرآن کریم میں اس قسم کی بکثرت ایسی آیات موجود ہیں - جن میں لام استغراقی نہیں مانا جاتا - چنانچہ :-

(۱) انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی و نور یحکم بھا النبیونؐ میں بھی الف لام موجود ہے - مگر مفید استغراق نہیں - کیونکہ وہی انبیاء توریت کے مطابق حکم لگاتے رہے ہیں - جو نزول توریت کے بعد مبعوث بالنبوّت ہوئے ہیں۔

(۲) یقتلون النّبیّین میں بھی الف لام استغراقی نہیں - کیونکہ کل انبیاء قتل نہیں ہوئے۔

(۳) قتلھم الانبیاء میں بھی لام استغراقی نہیں -

(۴) اذ جاءھا المرسلون میں بھی مفید استغراق نہیں - کیونکہ قریہ مخصوصہ میں تمام مرسل نہیں گئے -

جب ان آیات میں باوجود الف ولام ہونے کے کل انبیاء مراد نہیں - اور کسی نے استغراق کے معنے نہیں لئے بلکہ اشخاص معہود مراد لئے ہیں تو خاتم النّبیّین اور ختم النّبیّین اور ختم بی النبیون اور آخر النّبیّین میں بھی بجائے الف لام استغراق کے عہدی لیا جانا زیبا ہے

ختم بکمالاتہا لوعم عین میں ... ولایت اور ... انبیاء ... ختم ... نے

کیونکہ خاتم النبیین اور ختم النبیّین اور ختم بی النبیون اور آخر النبیین مسورۃ کلیہ نہیں۔ بلکہ قضیۂ مہملہ ہے۔ اور مہملہ کبھی تابع کلیہ اور اکثر تابع جزئیہ ہوتا ہے اور جب تابع کلیہ کرنے میں کوئی قرینہ قویہ موجود نہ ہو اور اعتراض وارد ہوتے ہوں اور مشکلات پیش آتی ہوں۔ اور فضیلت ثابت نہ ہوتی ہو۔ اور تابع جزئیہ کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ بلکہ ثبوت افضلیت ہوتا ہو تو تابع جزئیہ کیوں نہ کیا جائے۔

لہذا خاتم النبیّین اور آخر النبیّین کے معنی آخر بعض النبیین و خاتم بعض النبیین لینے بہتر ہیں۔ اور بعض النبیّین سے مراد انبیاء تشریعی ہیں اور انبیاء تشریعی کے آخر ہونے پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم دال ہے۔ کیونکہ اکمال شریعت نے انبیاء تشریعی کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔ اور بعض علمائے کرام کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ مولانا محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔ وھذا لا ینافی حدیث لا نبی بعدی لانہ اراد لا نبی بنسخ شرعہ۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی فرما کر ارادہ کیا تھا کہ آپ کی شریعت کو کوئی نبی منسوخ نہیں کرے گا۔

بعد میں کسی نبی کا آنا ممکن ہے بلکہ نبوت مطلقہ رفع نہیں ہوئی بلکہ نبوۃ تشریعی رفع ہوئی ہے

---

۷۱ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام معجز نظام الحکم، فروری ۱۹۰۳ء میں یوں درج ہے: ”علماء کو نبوت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں خاتم النبیین جو آیا ہے۔ جس پر الف لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعت لانے والی نبوت سب بند ہو چکی ہے۔

پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہوگا وہ کافر ہے۔

امام شعرانی نے بھی الیواقیت والجواہر کی دوسری جلد میں ایسا ہی لکھا ہے:۔

لا نبی بعدی۔ فان مطلق النبوۃ لم یرتفع وانما ارتفعت نبوت تشریعۃ۔ فقط۔

مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی دافع الوسواس فی اثر ابن عباس میں لکھتے ہیں:

”بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرد کسی نبی کا آنا محال نہیں۔

اور ہر وقت اور بار بار شریعت جدیدہ کا بھیجنا منافی حکمت بالغہ الہی ہے۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہزارہا سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب الشریعت مبعوث فرمایا۔ اور درمیانی انبیاء کو شریعت موسویہ کا تابع رکھا۔ لیکن تجدید دین اور شریعت کو تازہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کی ضرورت پیش آتی رہی۔ اور آتی رہے گی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی بعثت کے لئے باب رسالت کو مسدود نہیں رکھا۔

اب اس آیت کے آخری لفظ النبیّین پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ خاتم النبیّین کا مفہوم باعتبار نبوت کیا ظاہر کرتا ہے۔

(نبی)

بعض کے نزدیک نبی۔ نباء سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی آگاہی اور خبر کے ہیں۔ اور فعیل بمعنی فاعل ہے یعنی مخبر عن اللہ تعالیٰ۔ جیساکہ صراح میں ہے ومنہ اخذ النبی تبرك الهمزۃ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقائل (یا نبئ اللہ) لا تنبز باسمی فانما انا نبی اللہ هو فاعل من النباء الخبر لانہ انباء عن اللہ یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمزہ کے ساتھ نبیٔ اللہ کہکر پکارا تھا۔ فرمایا کہ تو میرے نام کو مت بگاڑ میں بترک ہمزہ نبی اللہ ہوں۔ یہ فعیل بمعنی فاعل مصدر النباء سے مشتق ہے۔ جسکی معنی آگاہی اور خبر کے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ نبوت اسم ہے۔

پس نبی کا کسی قوم میں ہونا اور خدا کی طرف سے پیغام پہونچانا اس قوم کے حق میں انعام الہی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اذ قال موسیٰ لقومہ یا قوم اذکروا

---

[1] واراد القائل بقولہ یا نبئ اللہ بالہمزۃ ای یا من خرج من مکۃ الی المدینۃ فانکر علیہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعنی ہمزہ کیساتھ نبیٔ اللہ کہنے والے نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اے وہ شخص کہ تو مکہ سے مدینہ کی طرف نکلا ہے کیونکہ نبوء کے معنی ایک جگہ سے نکلکر دوسری جگہ جانے

(حاشیہ: لطف استغنائے ... کو طرف سے ... ہر جگہ والا / کہ تو ایم ...)

نعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا۔ امت محمدیہ کو اس انعام عظیم سے محروم سمجھنا اس امت کی خیریت کو ملیا میل کرنا ہے[۱]۔

بعض کے نزدیک نبی۔ نباوت سے ماخوذ ہے جس کے معنی برآمدن وبلند شدن کے ہیں مجمع بحار الانوار میں وقیل مشتق من النباوۃ وھی الشیئ المرتفع یعنی کہا گیا ہے کہ نبی نباوت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی شیئ مرتفع کے ہیں اور نبی بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے جیسے قتیل وجریح کہ بمعنی مقتول ومجروح ہے۔ اور اس کے معنی تمام خلقت سے بلند اور شرف یافتہ کے ہیں۔ اور ہموز اللام نہیں ہے۔ بلکہ اقسام ناقص سے ہے۔ صاحب صراح لکھتا ہے

---

[۱] حضرت مسیح موعود الوصیت میں فرماتے ہیں جبکہ مکالمہ ومخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کے رو سے کمال تک پہنچ جاوے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے جس پر سب نبیوں کا اتفاق ہے۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جس کے لئے فرمایا گیا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اور جن کے لئے یہ دعا سکھائی گئی اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم اس کے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ نبوت سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا

۔ اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی۔ کہ امت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی۔ اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے۔ بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا۔ اور آپ کی قوۃ قدسیہ ناقص ٹھیرتی تھی۔ اور ساتھ اس کے وہ دعا جس کا پانچوں وقت نماز میں پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا۔ اس کا سکھانا بھی عبث ٹھیرتا تھا۔

لے یا محمد لوگوں کو خم دسا جو تم موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اسے میری قوم کے لوگو! انعام الہیٰ یاد کرو جب خدا نے تم میں انبیاء بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا ۱۲

وساغ ان یکون ماخوذ منہ غیر مہموز وھو فعیل بمعنی مفعول ای انہ مشرف علی الخلق کلہ اسی لحاظ سے بعض مفسرین نے آیت واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ کان مخلصا وکان رسولا نبیا کی تفسیر میں نبیا کے معنی رفیع الشان عالی قدر کے کئے ہیں۔ پس ان پچھلے معنوں کے اعتبار سے خاتم النبیین کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ان بزرگوار اشخاص سے جو اپنے اپنے عہد میں منجانب اللہ تمام خلق سے رفیع الشان اور عالی قدر ہوتے رہے ہیں یا ہوتے رہیں گے بوجہ قرب الٰہی فائق اور برتر ہیں۔ اور آپ رفعت شان کے آخری حد تک فائز ہوئے۔ اور آپ نے قرب الٰہی کا وہ مقام حاصل کیا ہے کہ جس سے بالاتر کوئی تقرب الٰہی کا مقام نہیں ہے۔ کوئی نبی نہ اس مقام تک پہنچا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے سہ

بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

ہر نبی کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک حالت النبا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پاکر خلقت کو خبر پہونچانے کی حالت۔ اس میں نبی اللہ کی توجہ عالم امر سے عالم خلق کی طرف ہوتی ہے۔ اس حالت میں تمام انبیاء علیہم السلام کے مدارج یکساں ہوتے ہیں۔ لا نفرق بین احد من رسلہ نبی کریم صلے اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا تفضلونی علی یونس ابن متی۔ مجکو یونس ابن متی پر فضیلت نہ دو۔

دوسری حالت النبادۃ یعنی وصول الی اللہ کی حالت جس میں نبی اللہ کی توجہ عالم خلق سے عالم امر کی طرف ہوتی ہے۔ اس حالت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مدارج متفاوت ہوتے ہیں تلک الرسل فضلنا بعضھم علے بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات اگر ایک نبی خدا تعالیٰ سے قریب ہے تو دوسرا اقریب تر ہے۔ ھلم جرا۔ سب سے اعلیٰ اور ارفع اور اقرب الی اللہ خاتم النبیین روحنا فداہ کا درجہ ہے۔ جس پر لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ شاہد ہے۔ کیونکہ واصل مضاف تو بکثرت ہوسکتے ہیں مگر واصل مطلق بجز ایک کے دوسرا نہیں ہوسکتا۔

لم جحتی اس لئے بھی ... پیغمبر کا نام ... سے ماخوذ ہے اور فعیل ... بمعنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جو خلقت پر اشرف دیا گیا ہے ۱۲ ... اور نبی اور رسول ... ان میں ایک ... سے اس سے ... اور ... مفضول ہے ۱۲

فرض کرو نبوت ایک دائرہ ہے جو مبدء عالم امر سے شروع ہوتا ہے اور عالم خلق سے گذرتا ہوا پھر واصل مبدٔ عالم امر ہو جاتا ہے۔ منہ المبدأ والیہ المعاد

آب فرض کرو۔

ا۔ ج۔ ب۔ د۔ ایک دائرہ ہے۔ جس کا نقطۂ اولی الف جہاں سے دائرہ کا آغاز ہُوا ہے۔ مبدء عالم امر ہے۔ اور نقطۂ (ب) جو نقطہ الف کے بالمقابل ہے عالم خلق ہے۔

اب نقطہ الف سے نقطہ ب تک قطر کھینچو دائرہ دو قوسوں میں منقسم ہو جائیگا۔ ایک قوس الف۔ ج۔ ب ہے۔ جس میں پرکار نقطہ الف سے حرکت نزولی کرتی ہوئی نقطہ ب تک اترتی چلی آئی ہے۔ یہ قوس نزولی قوس النباء یعنی قوس نزول من اللہ کی ہے جو مبدء عالم امر سے عالم خلق کی طرف نبی اللہ کے نزول کی سیر گاہ ہے۔

اب دائرہ کی دوسری قوس (ب) (د) (الف) کی طرف نگاہ کرو جس میں پرکار نقطہ (ب) سے نقطہ اولی یعنی الف کی طرف مرتفع ہونے لگ جاتی ہے حتی کہ نقطہ الف یعنی مبدء عالم امر سے واصل جا ہوتی ہے۔ یہ قوس صعودی قوس النبادۃ یعنی قوس وصول الی اللہ ہے۔ جو عالم خلق سے مبدء عالم امر کی طرف نبی اللہ کے شرف صعود کی سیر گاہ ہے

قوس العباء یعنی قوس نزولی میں تمام انبیاء علیہم السلام کے درجات یکساں ہیں ان میں کوئی تفاوت نہیں نہ کسی کا درجہ نیچا ہے نہ اونچا۔ خدا سے وحی پائی اور خلق کو پہونچادی۔ اس میں مطلق کم دبیشی مراتب نہیں۔ سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی وحی پائی اور خلقت کو پیغام الہی پہونچا دیا۔ حضرت یونس ابن متی نے بھی وحی پائی اور خلقت کو پیغام الہی پہونچا دیا۔ اسی لحاظ سے قرآن کریم نے لانفرق بین احد من رسلہ فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتفضلونی علی یونس ابن متی ارشاد کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ؎

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے	من بعرفاں نہ کمترم زکسے
آں یقیں کلیم بر تورات	واں یقینہای سید سادات!
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین	ہر کہ گوید دروغ ہست لعین!

مگر دوسری قوس (ب) (د) (الف) یعنی قوس النباوۃ جو دائرہ کی قوس صعودی اور وصول الی اللہ کا راستہ ہے۔ اس میں بحسب مجاہدات نفس و کمالات ذات انبیاء کے مدارج متفاوت ہوتے ہیں۔ جیسے کہ نقطہ ہائے (و) (ز) (ح) کی حالت سے ظاہر ہے۔ نقطہ و سے ز اور ز سے ح رفیع تر ہے۔ لیکن نقطہ ح سب نقاط سے ارفع اور اعلی اور نقطہ الف سے ایسا واصل ہے کہ ان دونو میں دوسرے نقطہ کی گنجایش نہیں۔

اور چونکہ نقطۂ الف مبدء عالم امر فرض کیا گیا ہے۔ پس نقطح واصل مبدء عالم امر ہے اور سب نقاط سے آخری نقطہ ہے۔ جس کے آگے نقطہ الف کے سوا اور کوئی نقطہ نہیں۔

پس النباوۃ یعنی رفعت شان اور وصول الی اللہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات عالیہ کا یہی حال ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض مسیح موسوی سے مسیح محمدی کا درجہ رفیع تر ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو — اس سے بہتر غلام احمد ہے۔

اور موسیٰ سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بلند تر ہے دلو کان موسیٰ حیاً لما وسعہ الا اتباعی۔ دیکھو مشکوٰۃ دیکھو قوس النبادۃ میں کسی نبی کا درجہ (د) ہے اور کسی کا (ف) ہے۔ اور نقطہ (ح) جو واصل (الف) یعنی مبدء عالم امر ہے۔ اور سب درجات سے آخری درجہ ہے اور مبدء عالم امر کے سوا اس سے کوئی درجہ اونچا نہیں یہ درجہ خاتم النبیین یعنی خاتم المرتفعین کا ہے۔ جو تمام مدارج عالیہ انبیاء کرام علیہم السلام سے اعلیٰ اور ارفع اور اقرب الی اللہ اور آخری درجہ کمال ہے۔ اور جس درجہ کے آگے خدا تعالیٰ کے درجہ کے سوا کوئی درجہ نہیں۔ لیس وراء عبادان قریۃ محقق دوانی علیہ الرحمہ لوامع الاشراق فی مکارم الاخلاق میں لکھتے ہیں۔

"ہر چند امزجۂ انسانی باعتدال حقیقی اقرب باشد۔ کمالات او بیشتر تا بمرتبہ نبوت رسد و باز درمیان ایشاں مراتب متفاوت باشد تا بمرتبہ ختم نبوت رسد کہ مظہر کل کمالات است۔ وغایت الغایات صلی اللہ علیہ وسلم"

(بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر)

صاحب کشاف اصطلاحات علوم لکھتا ہے۔ خاتم در اصطلاح صوفیہ عبارت است از کسے کہ قطع کردہ باشد مقامات را و رسیدہ بود بنہایت کمال[۱]

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واصل مبدء عالم امر ہونا یعنی واصل مطلق ہونا

---

[۱] حضرت مسیح موعود علیہ السلام مواہب الرحمن کے صفحہ ۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔ واز لفظ ختم نبوت مراد ختم کمالات نبوت است بر رسول المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم داد از ہمہ پیغمبراں افضل است و اعتقاد میداریم کہ بعد از وہیچ پیغمبرے نیست مگر آنکہ از امت او باشد۔ اور الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۲ پر آپکا ارشاد یوں درج ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے یہ معنی ہیں کہ جمیع کمالات نبوت و رسالت آپ پر ختم ہو گئے ہیں

اس امر کا مانع ہے کہ اب کوئی واصل مضاف بھی پیدا نہ ہو۔ اور اب کوئی اس قوس صعودی کے زینہ پر قدم نہیں دھر سکے - یا وصول الی اللہ کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا ہے بے شک کوئی امر عقلی اس کا مانع نہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے مقام کو کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ دو نقطے واصل نقطہ الف نہیں ہو سکتے۔ اس کے معنی ہیں کہ حقیقہ محمدیہ اپنے مثیل اور نظیر سے آبی ہے۔ دائرہ کا مرکز ایک ہی نقطہ ہو سکتا ہے۔ دو مرکز نہیں بن سکتے - اسی طرح دائرہ نبوت کا مرکز بھی جس کو قرآن کریم نے خاتم النبیین کے لقب سے یاد فرمایا ہے ایک ہی وجود ہو سکتا ہے دو وجود نہیں ہو سکتے۔ دجوھ. الحسن فیہ غیر منقسم حسن کا جوہر اسمیں تقسیم ہونیوالا نہیں۔
لیکن جیسا کہ دائرہ کا مرکز یعنی طالب غائت وسط ہونا طالب جہت وسط ہونیکا مانع نہیں۔ اسی طرح سے خاتم النبیین کا وجود ذی جود کسی دوسرے نبی کی بعثت کا جو خاتم النبیین کے تحت میں ہو مانع نہیں۔
جس طرح مرکز کی ذات دوسرے مرکز ہونے کے لئے مانع ہے۔ مگر محیط سو سے لیکر اپنے وجود تک دیگر نقاط کے لئے نہ اپنے ماقبل میں مانع ہے اور نہ بعد میں پس دائرہ نبوت کے مرکز جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جنکا لقب خدا تعالیٰ نے خاتم النبیین رکھا ہے کبھی مانع حائل کہ بلاشبہ آپ کی ذات مستجمع الصفات دوسرے وجود کے مرکز دائرہ نبوت یعنی خاتم النبیین ہونیکی تو ضرور مانع ہے۔ لیکن جب آغاز دائرہ آفرینش سے اپنی بعثت تک انبیاء سابقین کی بعثت کے لئے مانع نہیں ہوئی۔ تو اب اپنے وجود مبارک سے لیکر اختتام دائرہ آفرینش یعنی قیام قیامت تک کیوں مانع ہونے لگی تھی کیا نور محمدی متعدی نہیں۔ اور کیا آپ کی مشکوۃ نبوۃ سے دوسرا چراغ روشن نہیں ہو سکتا۔
اگر خاتم النبیین یعنی خاتم المرتفعین کی ذات مانع بعثت انبیائے لاحقین ہوتی تو قرآن کریم کی آیت کریمہ رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء

من عبادہ لینذر یوم التلاق[۱] میں انبیاء آئندہ کی نسبت یلقی الروح بصیغہ مضارع وارد نہ ہوتا۔ بلکہ بجائے صیغہ مضارع کے القی الروح یا کان یلقی الروح وارد ہوتا۔ اور اس آیت میں روح سے مراد نبوت ہے۔ عن السدی ان الروح ھھنا النبوۃ[۲] اور رفیع الدرجات بمعنی رافع درجات الانبیاء ہے، یعنی وہ خداتعالیٰ آیندہ انبیاء کے درجات کو بلند کرنے والا عرش کا خداوند ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کی طرف چاہتا ہے اپنی روح یعنی نبوت القا فرماتا ہے۔ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ نبی مصدر النباوۃ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے شیٔ مرتفع کے ہیں اور اس کی تعریف انہ[۳] شرف علی الخلق کلہ کے ہیں۔ ؎

آنکہ بہرت نظیری آرد ہم ترا اور ضمیر مے آرد

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں جو اولوالعزم نبی منجانب اللہ موعود ہوتا رہا ہے خداتعالیٰ ضرور اس کی بعثت کی نسبت اس سے سابق نبی کی معرفت اپنی کتاب میں پیشگوئی فرماتا رہا ہے۔ عہد عتیق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اور عہد جدید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیش گوئی پائی جاتی ہے۔

مگر احمدی جماعت کے مبائعین سید نا محمود آنے والے مسیح کی نسبت خدا کی کتاب سے تو نہیں بجائے اس کے احادیث نبویہ سے پیشگوئی نکالتے ہیں۔ اور یہ طریقہ سنت اللہ کے برخلاف ہے۔ اگر آنحضرت کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا۔ یا وہ من جانب اللہ موعود ہوتا تو قرآن کریم کی کسی آیت میں اس کی نسبت اشارہ پایا جاتا۔

اس مدعا کے واسطے ہم سورۃ الجمعہ کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ٥

خدا وہ ہے۔ جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو

[۱] صاحب تفسیر در منثور لکھا ہے الملک تحت کا انتم ... مجید کی بات ... کرتے جبرئیل اپنے بندوں سے تاکہ وہ ڈراوے ملاقات کے دن سے ۱۲۔

[۲] سدی کہتا ہے کہ یہاں روح سے مراد نبوت ہے (مجمع البیان) ۱۲۔

[۳] دوسرے صفحہ پر التفصیل دیا گیا ہے۔ ۱۲۔

ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو ہر طرح کے گند سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں میں انہیں میں سے جو ابھی تک امیوں کے ساتھ اسلام لاکر نہیں ملے ہیں - اور وہ خدا تعالیٰ ہے غالب حکمت والا۔

ہمارا دعوے ہے کہ اٰخرین منھم میں ایک رسول مراد ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہوگا۔ پس اس مدعا کے واضح کرنے کیلئے امور ذیل تنقیح طلب ہیں

(۱) الامیین سے کون لوگ مراد ہیں - اور الف لام اس اسم میں کیسا ہے۔

(۲) فی الامیین رسولاً منھم میں من کیسا ہے۔

(۳) رسولاً منھم میں ھم کا ضمیر کن کی طرف راجع ہے۔

(۴) واٰخرین منھم - کا عطف کس پر ہے۔

(۵) اٰخرین سے کون لوگ مراد ہیں۔

(۶) اٰخرین منھم میں من کیسا ہے۔

(۷) اٰخرین منھم میں ھم کا ضمیر کن کی جانب راجع ہے۔

(۸) لما یلحقوا بھم میں لما کیا معنے دیتا ہے۔

(اول) امیین امی کی جمع ہے - اس کی نسبت اختلاف ہے۔

(الف) بعض کہتے ہیں اُم کی طرف منسوب ہے۔ تاج العروس میں ہے - الامی نسبۃ الی الام التی ولدتہ

(ب) بعض کہتے ہیں امی امۃ العرب کی طرف منسوب ہے - روح المعانی میں ہے نسبۃ الی امۃ العرب۔

تفسیر مدارک میں ہے - الامی منسوب الی امۃ العرب لانھم کانوا لا یکتبون ولا یقرؤن من بین الامم۔

پھر اس کے معنوں میں بھی اختلاف ہے۔

بعض کا قول ہے کہ بوجہ ام القریٰ یعنی باشندگان مکۂ معظمہ ہونے کے یہ

لوگ امی کہلاتے تھے مجمع بحار الانوار میں ہے ۔ قیل نسبۃ الی ام القری ای
بعض کا قول ہے کہ بوجہ ان پڑھ ہونیکے عرب کو امی کہتے تھے ۔ لانہ علی اصل
ولادتہ لم یتعلم الکتاب والحساب۔ حدیث شریف میں ہے انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا
نحسب ۔ دیکھو تاج العروس۔

بعض کہتے ہیں کہ امیین سے اہل کتاب کے سوا خواہ عرب ہوں خواہ عجم سب لوگ
مراد ہیں چنانچہ روح المعانی میں ہے قال بعضھم المراد بالامیین مقابل اھل
الکتاب لعدم اعتناء اکثرھم بالقرأۃ والکتابۃ بعدم کتاب لھم سماوی
تدعوھم معرفۃ الی ذالک ۔

(دویم) فی الامیین رسولا منھم میں من بلا اختلاف تبعیضیہ ہے
(سوم) اس میں بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ اختلاف کی گنجایش ہے ۔ کہ
ھم کا ضمیر الامیین کی طرف راجع ہے۔

(چہارم) واٰخرین منھم کے عطف کی نسبت تین طرح کا اختلاف ہے ۔
(۱) بعض کے نزدیک یزکیھم کے مفعول یعنی ضمیر ھم پر معطوف ہے ۔ ای یزکیھم و
یزکی اٰخرین ۔

(۲) بعض کے نزدیک یعلمھم الکتاب کے ضمیر منصوب پر عطف ہے ویعلمھم
ویعلم اٰخرین ۔

(۳) اور بعض کے نزدیک آخرین کا عطف الامیین پر ہے ۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے
(پنجم) اٰخرین بفتح خا معجمہ آخر کی جمع ہے جس کے معنی فارسی میں دیگر اور اردو میں
دوسرے کے ہیں ۔ اور یہ افعل کے وزن پر تو ہے مگر افعل التفضیل نہیں ہے ۔ جیسا کہ
روح المعانی میں ہے ۔ واٰخرین جمع آخر بمعنی غیر لا اسم التفضیل یعنی حرف الخاء کی
زیر سے نہیں جس کے معنے پچھلے یا بارہ دیگر کے ہوں ۔ اس کی مراد کے متعین کرنے میں بھی اختلاف ہے
(۱) ایک گروہ کا قول ہے ۔ اٰخرین سے بھی عرب ہی مراد ہیں ۔ جو نزول آیت کے
وقت ابھی مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے ۔

چنانچہ تفسیر عباسی میں ہے ھو الذی بعث ارسل فی الامیین فی العرب رسولا منھم من نسبھم آخرین منھم وفی آخرین منھم من العرب۔

(۲) بعض کے نزدیک تمام اہل اسلام مراد ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر میں ہے وقال آخرون عنی بذلک جمیع من دخل فی الاسلام

(۳) بعض نے آخرین سے مراد ابناء فارس مراد لئے ہیں تفسیر ابن جریر میں ہے فقال بعضھم عنی بذلک العجم۔

(۴) بعض کے نزدیک آخرین سے تابعین اور تبع تابعین مراد ہیں۔

(ششم) آخرین منھم کے من میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) ایک گروہ کا قول ہے کہ اس آیت میں من بیانیہ ہے۔ یعنی آخرین منھم اے من الامیین

(۲) دوسرے گروہ کا قول ہے۔ من اسمیہ بمعنی بعض ہے جیسے ومن الناس من یقول ہیں۔ آخرین منھم لما یلحقوا بھم میں من اسمیہ مبتدا ہے اور ضمیر ہم مع جملہ لما یلحقوا بھم اس کی خبر ہے (دیکھو روح المعانی)

(۳) تیسرے گروہ کا قول ہے کہ آخرین منھم میں من تبعیضیہ ہے۔

(ہفتم) آخرین منھم کے ضمیر ھم کے مرجع میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں الامیین کی طرف راجع ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں آخرین کی طرف عاید ہے۔

(ہشتم) حرف لما کی نفی کی نسبت بھی اختلاف ہے۔

(۱) ایک گروہ کا قول ہے کہ اس کی نفی غیر متوقع الحصول ہے۔ کیونکہ صحابہ کی شان تک کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ خواہ تابعی یا تابع تابعین۔ اور نہ ان سے بعد کے لوگ۔ (دیکھو فتح المعانی)

(۲) دوسرے گروہ کا قول ہے کہ اس کی نفی متوقع الحصول ہوتی ہے دیکھو

فتح البیان۔

(۳) تیسرے گروہ کا قول ہے کہ نہیں لما کی نفی عام ہے خواہ متوقع
الحصول ہو یا نہ ہو۔ اور اس آیت میں اس سے یہ مطلب ہی نہیں ہے۔
دیکھو فتح البیان۔

پس اس آیت میں معطوف علیہ اور معطوف کو ایک جگہ رکھکر مفسرین نے مختلف
معنے کئے ہیں۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم واٰخرین منھم لما یلحقوا
بھم۔

(۱) جو لوگ الامیین کے معنی بھی عرب اور آخرین کے معنی بھی عرب لیتے
ہیں وہ اس طرح پر اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ خدا وہ ہے جس نے عرب اولین
میں ایک رسول جو انہیں عربوں میں سے اور دوسرے گروہ عرب میں جو وہ بھی
عرب ہی میں سے ہیں برپا کیا۔ تفسیر عباسی میں ہے۔ یقول بعث اللہ محمداً علیہ
السلام رسولاً فی الاولین والاخرین من العرب[۵]۔

(۲) دوسرا گروہ گروہ اول کے برخلاف الامیین سے مقابل اہل کتاب تمام
دنیا کے غیر اہل کتاب خواہ فرس ہوں یا ترک عرب ہوں یا عجم مراد لیکر
یوں معنی کرتا ہے - وہ خدا ہے جس نے غیر اہل کتاب میں سے اور دوسرے
غیر اہل کتاب میں سے اور دوسرے غیر اہل کتاب میں جو پہلے غیر اہل کتاب میں سے
ہیں۔ ابھی اسلام لاکر ان سے نہیں ملے ایک رسول برپا کیا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔ المراد بالامیین مقابل اھل الکتاب
لعدم اعتناء اکثرھم بالقرءة والکتابة لعدم کتاب لھم سماوی
تدعوھم[۵۲] معرفتہ الی ذلک فیشتمل الفرس اذ لا کتاب لھم کالعرب۔

(۳) تیسرا گروہ الامیین سے صحابہ اور آخرین سے تابعین مراد لیکر اس
طرح پر معنی کرتا ہے کہ وہ خدا ہے جس نے صحابہ رض میں انہیں میں سے اور تابعین

ہیں جو انہیں صحابہ رضؓ میں سے ہیں ابھی ان صحابہ سے اسلام لاکر نہیں ملے ہیں ایک رسول برپا کیا ہے۔ دیکھو فتح البیان۔ قال عکرمۃ ہم التابعون۔

(۴) چوتھا گروہ الامیین سے صحابہ رضؓ اور آخرین سے قیامت تک آنیوالے مسلمان مراد لیتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:۔

وہ خدا ہے جس نے صحابہ میں انہیں میں سے اور دیگر مسلمانوں میں جو اسلام لاکر ابھی صحابہ سے نہیں ملے ہیں۔ ایک رسول برپا کیا ہے۔ فتح البیان میں ہے۔ قال مجاهد الناس کلهم وکذا قال ابن زید والسدی[۱]۔

یہ چاروں گروہ آخرین منهم کا عطف الامیین پر ڈالتے ہیں۔

(۵) پانچواں گروہ آخرین منهم کا عطف یزکیهم کے ضمیر منصوب پر ڈال کر اور معطوف علیہ اور معطوف کو ایک جگہ رکھکر یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ وہ خدا ہے جس نے امیین میں انہیں میں سے ایک رسول برپا کیا ہے۔ جو ان کو پاک کرتا ہے اور دوسروں کو بھی پاک کرتا ہے۔ جو امیین میں سے ہیں جو ابھی اسلام لاکر امیین سے نہیں ملے ہیں۔ فتح البیان میں ہے او عطفاً علی مفعول یزکیهم ای یزکیهم ویزکی آخرین[۲]۔

(۶) چھٹا گروہ آخرین منهم کا عطف یعلمهم کے ضمیر منصوب پر ڈال کر اور معطوف علیہ اور معطوف کو ایک جگہ رکھکر تقدیر عبارت یوں بیان کرتے ہیں هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم اٰیاتہ ویزکیهم و یعلمهم الکتاب وآخرین منهم لما یلحقوا بهم۔ ترجمہ یوں کرتے ہیں سکھاتا ہے امیین کو کتاب اور دوسروں کو جو انہیں امیین سے ابھی اسلام لاکر امیین سے نہیں ملے۔ تفسیر مدارک میں ہے او منصوب معطوف علی المنصوب فی ای یعلمهم ویعلم آخرین[۳]۔ یہ سب گروہ آخرین منهم کے من کو تبعیضیہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے و فی آخرین منهم

[۱] مجاہد کہتا ہے کہ آخرین سے مراد تمام لوگ ہیں ابن زید اور سدی نے بھی ایسا ہی کہا ہے ۱۲۔

[۲] یا یزکیهم کے ضمیر مفعول پر عطف ہے یعنی امیین کو اور آخرین کو پاک کرتا ہے۔

[۳] یعلمهم کے ضمیر [illegible]

(۷) ساتواں گروہ آخرین منھم من کو اسمیہ بمعنی بعض قرار دیکر ضمیر ہم کو مع جملہ لما یلحقوا بھم کے اس کی خبر ٹھیراتا ہے اور یوں ترجمہ کرتا ہے "وہ خدا جس نے امیوں میں انہیں امیوں میں سے اور دوسروں میں ایک رسول برپا کیا۔ بعض ان دوسروں میں سے بھی اسلام لاکر امیوں سے نہیں ملے۔

اور لمّا کے متعلق تین مسلک ہیں۔

(۸) (الف) پہلا گروہ لما کی نفی عام قرار دیکر یوں ترجمہ کرتا ہے کہ خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے اور آخرین میں جو ان امیوں میں سے ہیں جو نہیں ملے ان امیوں سے ایک رسول برپا کیا ہے۔

(۹) (ب) دوسرا گروہ لما کی نفی کو غیر متوقع الحصول قرار دیکر یوں ترجمہ کرتا ہے۔ خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے اور دوسروں میں جن کی ان امیوں کے مرتبہ تک ملنے کی توقع نہیں ہے ایک رسول برپا کیا۔

(۱۰) (ج) تیسرا گروہ لما کی نفی کو متوقع الحصول قرار دیکر یوں ترجمہ کرتا ہے۔ خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے اور دوسروں میں جن کے ملنے کی ان امیوں تک ... توقع ہے ایک رسول برپا کیا۔ یہ تینوں مسلک دیکھو فتح البیان میں۔

الغرض یہ جدا جدا تین مسلک ہیں۔ لیکن اتنا عرض کرنے کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ سوائے اپنے مفسرین کے اقوال کے کوئی بھی مفسرین میں سے اپنے مسلک کی تائید میں حدیث نبوی نہیں پیش کرتا۔ اب گیارہواں مسلک اکابر محدثین کا ہے

(۱۱) جو آخرین کے معنے اس آیت میں اہل فارس لیکر خاموش ہو گئے ہیں۔ نہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ

آخرین منھم میں من تبیینیہ ہے یا تبعیضیہ ہے یا اسمیہ ہے اور نہ انہوں نے بحث کی ہے کہ آخرین کا عطف یزکیھم پر ہے یا یعلمھم

کی ضمائر پر۔ البتہ یہ چند امور جو درج ذیل ہیں احادیث سے ثابت ہوتے ہیں

(۱) الامیّین سے مراد صحابہ ہیں۔ جن میں اہل عرب بکثرت تھے اور کوئی اکادکا اقل قلیل عجمی تھا۔ ان میں مہاجر یعنی قریش اول مرتبہ پر تھے اور انہیں میں سے آنحضرت بھی تھے۔ دوسرے نمبر پر انصار تھے ان سے بھی آپکا گاڑھا تعلق تھا۔ مگر حضور علیہ السلام قریشی کہلاتے تھے۔ اور قریش ہی خیر العرب تھے۔ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اوسی یا خزرجی نہیں کہا۔ چہ جائیکہ کوئی آپ کو عجمی یا رومی یا فارسی کہتا؟۔

اس آیت کریمہ میں الامیین وارد ہوا ہے اس کا الف لام عہدی ہے، حاشیہ قونوی علی البیضاوی میں ہے۔ اللام للتعریف العہد لان الرسول علیہ السلام معلوم والقوم قوم معلومون فانہم قریش بعث رسول اللہ من بینہم۔

(۱) الامیّین کے متعلق اصح مذہب یہی ہے کہ اس آیت کریمہ میں مقابل اہل کتاب تمام دنیا کے غیر اہل کتاب اقوام مراد نہیں بلکہ جیسا کہ اس حدیث صحیح سے جس کو امام بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ابن منذر ابن مردویہ نے متفق علیہ اور طرق متعددہ سے روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امة امية لا نكتب ولا نحسب (الدر المنثور) اہل عرب ہی مراد ہیں چنانچہ فتح البیان میں ہے۔ عن ابن عمر قال رسول اللہ انا امة امية لا نكتب ولا نحسب اخرجه الشيخين وغيرهما رسولا منهم اى من انفسهم ومن بينهم ومن جملتهم كمافى قوله تعالى لقد جاءكم رسول من انفسكم وما كان حى من احياء العرب الا ولرسول الله صلى الله عليه وسلم فيهم قرابة وقد ولده ووجه الامتنان يكونه منهم۔

(۲) وآخرین کا عطف الامیین پر ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

پوچھا من ھم ھولاء یا رسول اللہ لم یلحقوا بنا؟ تو حضور علیہ السلام نے سلمان کے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ رجال من ھولاء۔

دیکھو پوچھنے والا اُمّی تھا۔ اس نے پوچھا کہ آخرین کون ہیں جو ہم سے نہیں ملے آپنے فرمایا رجال من ھولاء۔

پوچھنے والے نے بھی الامیین پر عطف سمجھا اور نبی کریم نے بھی الامیین پر آخرین کے عطف ہونیکا اظہار فرمایا۔

اس آخرین سے جن لوگوں نے اہل عرب یا تابعین یا موالی عرب یا تمام اقوام مختلفہ جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ مراد لئے ہیں۔ اس کی موید کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور ابناء فارس مراد لینے کے لئے اثبت الاخبار واصح الاحادیث موجود ہیں۔

حدیث سے تو سوائے اہل فارس کے جنکی نسبت خیر العرب قریش وخیر العجم اہل فارس جیسا کہ ابن خلکان حضرت امام زین العابدین کے حالات میں لکھتا ہے کہ حضرت کو اسی وجہ سے لوگ ابن خیرتین کہتے تھے کہ آپکے والد خیر العرب قریش تھے اور والدہ خیر العجم اہل فارس میں سے تھی۔ اور وہ حدیث یہ ہے: جس میں شارح علیہ السلام اس آیت کے لفظ آخرین کی تفسیر ابناء فارس سے فرمائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین نزلت سورۃ الجمعۃ فتلاھا فلما بلغ وآخرین منھم لما یلحقوا بھم قال لہ رجل یا رسول اللہ من ھولاء الذین لم یلحقوا بنا فوضع یدہ علی راس سلمان الفارسی فقال والذی نفسی بیدہ لو کان العلم فی الثریا لنالہ رجال من ھولاء۔ اور یہ حدیث ایسی ہے جسکو امام بخاری مسلم ترمذی نسائی۔ ابن جریر ابن منذر ابن مردویہ ابو نعیم بیہقی جیسے اکابر آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ دیکھو الدر المنثور۔

عن ابی جعفر ان النبی صلے اللہ علیہ و سلم قرء ھٰذہ الاٰیۃ فقیل لہ من
ھولاء فوضع یدہ علی کتف سلمان وقال لو کان الایمان فی الثریا لنالہ
رجال من ھولاء۔

اور بخاری کی روایت میں رجل اور رجال من ھولاء۔ آیا ہے۔ اسی وجہ
سے محدثین نے مفسرین کے برخلاف آخرین منھم کے لئے سوا اہل فارس
کے اور کوئی قوم مراد نہیں لی ہے۔ اخرج سعید ابن منصور وابن مردویہ
عن قیس ابن عبادہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لو کان
الایمان فی الثریا لنالہ رجال من اہل فارس (درمنثور)

اہل تشیع کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس آیت میں آخرین
سے اہل فارس ہی مراد ہیں۔ عن ابی جعفر ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قرء ھٰذا الاٰیۃ فقیل لہ من ھولاء فوضع یدہ علی کتف سلمان
وقال لو کان العلم فی الثریا لنالہ رجال من ھولاء۔ مجمع البیان

اور حدیث میں جس طرح قریش کی فضیلت وارد ہے۔ ویسے ہی اہل فارس
کی فضیلت بھی مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خلق اللہ تعالٰی
من عبادہ خیرتان فخیرتہ من العرب قریش ومن العجم فارس۔ دیکھو
ابن خلکان۔

(۲) آخرین منھم میں من تبعیضیہ لینے کے لئے آیت میں کوئی
قرینہ موجود نہیں۔ اور ایسا ہی اس من کے اسمیہ ہونے پر بھی کوئی
قرینہ موجود نہیں ہے۔

اور تبعیضیہ لینے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول من
ھولاء جو صدر کی حدیث میں موجود ہے کافی ہے۔ جیسا کہ من ھولاء کا من
ہے ویسا ہی منھم کا من ہے۔ جیسا کہ حدیث کے من ھولاء سے آخرین

(۳) اٰخرین منہم کا ضمیر ھم کا مرجع قریب آخرین کو چھوڑ کر مرجع بعید
الامیین کے لئے قرار دینے پر بھی آیت میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اور مرجع
قریب یعنی آخرین قرار دینے کے لئے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ حضرت
سلمان اہل فارس سے تھے حضرت نے ان پر ہاتھ رکھکر فرمایا من ھؤلاء۔ اور
منہم کی تفسیر ہے۔ ھؤلاء کا اشارہ اہل فارس کی طرف تفسیر کرتا ہے۔ اور ہم
کی ضمیر آخرین کی طرف ہے۔ اگر ھولاء کا اشارہ اہل فارس کی طرف ہے
تو ھم کی ضمیر بھی اہل فارس کی جانب راجع ہے۔ جو اس آیت میں آخرین سے
تعبیر ہوئے ہیں۔ پھر حسب رسولًا منھم اور رجل منھم پر غور کیا جائے۔
تو بالکل اسکی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کہ ھم کا مرجع لفظ آخرین ہے۔ لیکن یہ نکتہ
آگے چلکر کھولا جائیگا۔

(۴) لما یلحقوا بھم میں جو اشخاص کے لما کی نفی کو غیر متوقع الحصول کہتے ہیں
وہ یہ حجت پیش کرتے ہیں۔ لان التابعین و من بعدھم لا یدرکون شان
السابقین من الصحابۃ لیکن ہم ان سے پوچھتے ہیں۔ و اما امتی کالمطر لا
یدری اولہ خیر ام آخرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا ہے
اگر صحابہ کے بعد کسی کا رتبہ صحابیت تک پہونچنا محال تھا۔ تو ام اولہ ام آخرہ
کیا معنے رکھتا ہے۔ ماسوائے اس کے شرف باعتبار قرب ہوتا ہے اور فضل باعتبار
تکمیل نفس ہوتا ہے بیشک ایک صحابی کو جو شرف باعتبار قرب اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صحبت کے حاصل ہے وہ غیر صحابی کو نہیں حاصل ہو سکتا۔ دیکھو جسمانی
صحبت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل نہیں ہوا
مگر تمام صحابہ پر ان کو فضیلت حاصل ہے اسی طرح سے تمام وہ لوگ جو حضرت
مسیح علیہ السلام کی آمد کے قایل ہیں۔ خواہ ان کو نبی مانیں یا نہ مانیں اس امر پر
متفق ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود کو تمام صحابہ پر فضیلت حاصل ہے کیا کوئی کہہ
[illegible] آنحضرت کی جسمانی صحبت [illegible]

شرف حاصل نہیں کیا۔ اور اسی طرح سے کوئی ہے کہ یہ کہہ سکے کہ وہ مشرف باسلام نہیں ہوا۔ یا کوئی ہے کہ یہ کہہ سکے وہ ثم حسن اسلامہ نہیں تھا۔ پھر کیا وہ صحیح سے افضل ہو سکتا ہے۔ جب نہیں ہو سکتا تو اب اما امتی کا لمطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ کی حدیث سچی ہو گئی۔ اور سچے ہونے سے لما یلحقوا بھم میں لما کی نفی متوقع الحصول ٹھیری۔ نہ غیر متوقع الحصول۔ مغنی میں ہے۔ ان نفیھا مستمر النفی الی الحال۔ اور دوسرے مقام پر لکھتا ہے الرابع ان منفی لما متوقع ثبوتہ بخلاف منفی لم الا تری ان معنی بل لما یذوقوا عذاب ای انھم لم یذوقوہ الی الان وان ذوقھم متوقع۔ قال الزمخشری فی۔ ولما یدخل الایمان فی قلوبکم مافی لما من معنی التوقع دال علی ان ھؤلاء آمنوا فیما بعد۔

خلاصہ کلام آخرین کا الامیین کے رتبہ تک لحوق پا جانا متوقع الحصول ہے۔ نہ غیر متوقع الحصول۔

یہ امر تو واضح ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ واٰخرین منھم کا عطف الامیین پر ہی ترجیح رکھتا ہے۔ چنانچہ قنوی لکھتا ہے عطف علی الامیین لان فیہ نص بعثہ بالبعثۃ الیھم وھو الاھم۔ اور اٰخرین مثل الامیین مجرور حرف فی ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے وعطف علی الامیین ای فی اٰخرین منھم۔

اور بوجہ مجرور جار ہونے کے بقرینہ فقرہ اولی فعل مقدر یعنی بعث کے متعلق ہے اور چونکہ فعل بعث متعدی ہے اور ہر فعل متعدی مفعول کو چاہتا ہے اس لئے اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ضمیر منصوب اس میں مقدر مانا جائیگا۔ جس کی صورت صاحب تفسیر فتح البیان نے اس طرح پر دکھائی ہے۔ ای بعث فی الامیین الذین علی عھدہ و

حاشیہ:

معلوم نہیں کہ میری امت کے پہلے لوگ اچھے ہیں یا پچھلے۔ یہ تحقیق سنی لما پر ثبوت کی بخلاف معنی لم متوقع ہے یعنی اسے نہیں چکھا کی آیت بل لما یذوقوا عذاب کے یعنی انہوں نے ابتک عذاب کا مزا نہیں چکھا۔ مگر آگے چکھنا متوقع ہے۔ زمخشری آیت لما یدخل الایمان فی قلوبکم کی تفسیر میں لکھتا

اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک الامیین الذین علیٰ عہدہٖ ہیں۔ دوسری آخرین منہم لما یلحقوا بھم میں۔
اور پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت میں الامیین سے عرب اور آخرین سے اہل فارس مراد ہیں۔ لہذا حضور کی بعثت اولیٰ خیر عرب قریش میں ہے۔ اور بعثت اخریٰ خیر عجم ابناء فارس میں ثابت ہوتی ہے۔
لیکن ایک ذات کی نسبت دو مختلف قوموں کے حق میں ولدوہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور الامیین کے حق میں ولدوہ متحقق ہے۔ اس لئے ناچار یہی کہنا پڑتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی دوسری بعثت ایک دوسرے رنگ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرین یعنی اہل فارس میں ایک ایسا شخص ہونا چاہیئے جو آپکا پورا ظل اور آپ کا بروز کامل ہو۔ جس کے اتباع سے آخرین جن کی نسبت لما یلحقوا بھم ای بالامیین وارد ہوا ہے۔ الامیین سے لحوق حاصل کریں۔
ورنہ اس فعل بعث مقدر کا مفعول بقرینہ فقرۂ سابق (یعنی بعث فی الامیین رسولًا) ایک اسم ظاہر نکالنا پڑے گا۔ اور وہ لفظ رسولًا ہے۔ اور تقدیر عبارت آیت یوں ہو گی ھو الذی بعث فی الامیین رسولًا منھم و بعث فی آخرین رسولًا منھم۔ اس صورت میں دوسرے رسول کی بعثت آنحضرت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔
بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں تو رجل من ھؤلاء مروی ہے اور یہی تم کہتے ہو کہ یہ حدیث و آخرین منھم کی تفسیر ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ و آخرین منھم کی تفسیر و بعث فی آخرین رسولًا منھم کرتے ہو کجا رجل کجا رسول۔ رجل تو فرد من افراد الامۃ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور رسول کی شان اس سے ارفع ہے کہ اس کو رجل کے لفظ سے تعبیر کیا جاوے۔

لیکن صاحب کشاف اور اس کی تبعیت سے صاحب مدارک نے اسی
آیت ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم کی تفسیر میں رجلاً
امیاً لکھا ہے - اور طیبی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جناب رسول خدا کو
رجلاً سے تعبیر کرنا ایک گستاخانہ تفسیر ہے - صاحب کشاف کی طرف
سے قنوی جواب دیتا ہے کہ صاحب کشاف نے منصب تفسیر نگاری کا لحاظ
رکھ کر بوجہ نکرہ ہونے لفظ رسولاً کے اس آیت میں رجلاً سے تعبیر کیا ہے
پس ایسا ہی واٰخرین منھم میں جبکہ تقدیر عبارت اس طرح پر ہے
و یبعث فی اٰخرین رسولاً منھم - رسولاً کی تنکیر کی وجہ سے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی رجل من ھولاء فرمایا ہے - کیونکہ نکرات معینہ
نکرات کی حد سے نکل جاتی ہیں - رضی لکھتا ہے - و یخرج منہ النکرۃ
المعینۃ نحو لقیت رجلاً اذا علم المتکلم ذٰلک الملقی اذ لیس فیہ اشارۃ
لا استعمالاً و لا وضعاً - قرآن کریم میں ہے (لقد ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً
علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً - دونوں جگہ رسولاً نکرہ معینہ ہے - پہلے رسولاً
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور دوسرے سے حضرت موسیٰ -
لہذا رجل من ہولاء - میں بھی رسول ہی مراد ہے - نہ فرد من افراد الامۃ -
خلاصہ کلام خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ہوں یا آخرین منھم
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول کا وجود ثابت ہوتا ہو -
ہمارا مدعا ثابت ہے - چونکہ ایک ذات کیلئے دو مختلف قوموں کی نسبت
ولی والا کا کہنا محال ہے - الامیین عرب ہیں - نبی امی کی نسبت ان کا
ولد ناہ کہنا زیبا ہے - اہل فارس اس حرف کو زبان سے نکالنے کی جرأت
ہی نہیں کرسکتے - اس لئے آخرین میں اس کا نائب قرار دینا پڑتا ہے -
چونکہ منسوب عنہ رسول ہے نائب اپنے منسوب عنہ کی طرف سے
کار رسالت انجام دیکر رسول کہلانے کا مستحق ہے - یہ امر مسلمہ ہے کہ

نائب کا کام منسوب عنہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک مقام میں یعنی بعث فی الامیین رسولاً میں آپ کی بعثت بالرسالت کا آفتاب چمک رہا ہے۔ اور دوسرے مقام میں یعنی آخرین میں آپ کی بعثت بالنیابت کا چاند بذریعہ ایک رجل فارسی کے روشن ہے۔

بعثت اولی میں آپ ظاہری طور پر رسول ہیں۔ دیکھو ھوالذی بعث فی الامیّین رسولاً منھم اور بعثت ثانیہ میں آپ مقدر طور پر رسول ہیں۔ دیکھو واٰخرین منھم۔ اس جگہ آپ کی رسالت مضمر ہے یہ تو آپ کی دو بعثتوں کا حال ہے۔

اگر اس میں چوں وچرا کرو تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں واٰخرین منھم میں رسولاً مقدر ہے اور تقدیر آیت اس طرح ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم واٰخرین رسولاً منھم۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ الامیین اہل عرب کو قرار دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مخصوص عرب ہجاتی ہے جو آیت وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس کے منافی ہے۔ اور یہ خصوصیت آنجناب کو بھی ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ مجمع بحار الانوار میں ہے کہ ایک شخص نے یہ کہا تھا انک رسولاً الامیین۔ یعنی آپ عرب کے لئے رسول ہیں اور ان کے سوائے اور قوموں کے لئے نہیں ہیں۔ تو حضرتؐ نے ان کی نسبت فرمایا ھذا اما القی الیہ الشیطان[1]۔ لہذا جو شخص کہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کو عرب ہی سے مخصوص کرنا چاہتا ہے اس کو ما القی الیہ الشیطان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لیکن یہ اعتراض اس وقت وارد ہوسکتا تھا جبکہ بعث حرف لام۔ یا الیٰ کے صلہ کے ساتھ ہو اور صورت آیت اس طرح پر ہو ھوالذی بعث للامیین رسولاً۔ یا ھوالذی بعث الی الامیین رسولاً۔ چونکہ اس آیت

[1] یہ بیہودہ بات ہے جو الشیطان نے اس کے دل میں القاء کی ہے۔ ۱۲

مفسرین نے بعثہ الیھم کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے انہوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت مخصوص تھی ارسلنا الی فرعون رسولًا وارد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام تھی ارسلنا الیکم رسولًا ارشاد ہوا۔ کم کی ضمیر میں قیامت تک کے تمام مسلمان شامل ہیں۔ وقس علیھذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت چونکہ خاص بنی اسرائیل کے لئے تھے۔ اس لئے رسولا الی بنی اسرائیل وارد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ تھی۔ بعث فی الامیین نازل ہوا۔

اور صاحب فتح البیان کا یہ کہنا والاقتصار ھنا فی المبعوث الیھم علے الامیین لاینافی انہ مرسل الی غیرھم لان ذلک مستفاد من دلیل اٰخر لقولہ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کا مفہوم اس آیت کے مفہوم سے خارج رہتا ہے۔ اور جب تک کہ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس۔ کی آیت کے مفہوم کو اس آیت کے مفہوم کیساتھ نہ ملایا جاوے۔ تب تک حضور علیہ السلام کی بعثت کی عمومیت کے اظہار سے اس آیت کا مفہوم قاصر رہتا ہے۔

اور المراد بالاٰخرین من جاء بعد الصحابۃ الی یوم القیمۃ یا الناس کلھم کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت امیین یعنی صحابہ ہی میں محدود نہیں تھی۔ بلکہ کافۃ للناس تھی۔

لیکن اس آیت سے تو آخرین کا صحابہ کے مدارج کیساتھ لحوق ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ الناس کلھم اور کل من جاء بعد الصحابہ الی یوم القیمۃ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ صحابہ کو شرف صحبت رسول کریم حاصل تھا دوسرے لوگ اس شرف سے محروم تھے۔ اور یہ شرف بغیر صحبت رسول کے غیر ممکن ہے

لہ اور بیان پر اقتصار کر کے مبعوث الیہم امیوں کی طرف ہے اس امر کا منافی نہیں کہ وہ اپیل کے سوا اور دوسروں کی طرف بھی رسول تھے۔ کیونکہ یہ بات دوسری دلیل سے مستفاد ہے۔ اور وہ دلیل ہے کہ ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام لوگوں کی طرف ۱۲۔

امی بعثت کا حصار ۔۔۔ اس سے ۔۔۔ خصوصیت نہیں رہتی اور ۔۔۔

اگر کہا جاوے کہ اس آیت کریمہ میں تمہارے مسلک کے مطابق بعث ماضی کا صیغہ معطوف علیہ کے لحاظ سے اس کے معنے ماضی کے لئے جاتے ہیں۔ مگر معطوف کے لحاظ سے اس کے معنی استقبال کے لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ہی لفظ کے معنے معطوف علیہ میں ماضی کے کرنے اور معطوف میں استقبال کے کرنا قواعد نحویہ کے برخلاف ہیں۔

اس کے جواب میں ہم سورہ احزاب کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضا لم تطؤھا۔ اور ورثہ دیا تم کو ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال کا اور ایک زمین کا جس پر تمہارے قدم نہیں پھرے۔ قنوی اس آیت کی تفسیر کے متعلق لکھتا ہے والمعنی واورثکم ای سیورثکم ولتحققہ عبر عنہ بالماضی یعنی اورثکم نے معطوف علیہ میں تو ماضی کے معنی دیئے ہیں۔ مگر معطوف میں بباعث اس کے تحقیق وقوع کے استقبال بلفظ ماضی آیا ہے۔

پس اسی طرح ھو اللہ الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم معطوف علیہ میں بعث ماضی ہے اور واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم معطوف میں سیبعث فعل استقبال بباعث تحقق وقوع بلفظ ماضی ہے۔

یا جیسا کہ قنوی نے اسی آیت کی دوسری تاویل کی ہے کہ اورثکم فی علمہ وقضائہ ارضا لم تطؤھا۔ معطوف میں بھی اورث یعنی فعل ماضی ہی مقدر ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں۔ کہ تم کو خدا نے اپنے علم اور قضاء میں اس زمین کا بھی وارث بنا دیا ہے۔ گو ابھی تمہارے قدم اس پر نہیں پھرے ہیں اسی طرح ھو الذی بعث فی الامیین معطوف علیہ میں بعث فعل ماضی ہے اور اٰخرین منھم معطوف میں بھی فعل بعث یعنی ماضی مقدر ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے والظاھر ان العطف علی ارضھم واستشکل

بان الاورث ماض حقیقة بالنسبة الی معطوف ومجازاً بالنسبة الی
هذا المعطوف واجیب بانه یراد باورثکم واورثکم فی علمه وتقدیره
وذلک متحقق فیما وقع من الارث کارضهم ودیارهم واموالهم فیما لم
یقع بعد کارث مالم تکن مفتوحاً وقت نزول الآیه وقد ربعضهم اورثکم
فی جانب المعطوف مراداً به یورثکم الا انه عبر بالماضی لتحقق الوقوع
والدلیل المذکور استبعد دلالة المذکور علیه لتخالفهما حقیقةً و
مجازاً وقیل الدلیل ما بعد من قوله تعالی وکان الله علی کل شیئ قدیرا
ثم اذا جعلت الارض شاملة لما فتح علی ایدی الحاضرین ولما
فتح علی ایدی غیرهم ممن جاء بعدهم لا یختص الخطاب الحاضرین
قال عکرمه کل ارض تفتح علی المسلمین الی یوم القیامة۔
قال قتادہ کنا نتحدث انہا مکہ۔
قال یزید ابن رومان وابن زید ومقاتل انہا خیبر (فتح البیان)
یہ ظاہر ہے کہ وارضاً لم تطؤھا کا عطف ارضھم پر ہے۔ اب شکل یہ ہے
کہ اورث ماضی ہے اور معطوف علیہ کے لحاظ سے حقیقی معنی اور معطوف کے
لحاظ سے مجازی معنی دیتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ باورثکم واورثکم
سے یہ مراد لی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم اور اس کی تقدیر میں یہ ثابت شدہ بات
ہے کہ جو سرزمین اس آیت کے نزول کے وقت تک ابھی مسلمانوں کے پاؤں
تلے نہیں آئی اور آگے چلکر ضرور آئیگی وہ کفار کی اس زمین اور ان کے ان گھروں
اور ان اموال کی طرح ثابت شدہ اور مقررہ ہے جنکے وہ وارث ہو چکے ہیں۔ اور
بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اورثکم سے معطوف میں یورثکم مراد ہے۔ لیکن صیغہ
استقبال ویورثکم ماضی کے ساتھ اس وجہ سے تعبیر ہوا ہے کہ اس کا وقوع
میں آنا تحقق اور ضروری ہے۔ اور اس کی دلیل وہی ہے جو سابقاً مذکور ہو چکی ہے

البتہ حقیقت اور مجاز میں ان دونوں کے باہم مخالف ہونیکی وجہ سے امر مذکور پر
اس کی دلالت کسی قدر بعید ہے اور بعض نے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول :-
وکان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیرا۔ بیان کیا ہے جو اس آیت کے بعد ارشاد ہوا ہے
چونکہ لفظ ارض شامل ہے اس زمین کو جو حاضرین کے ہاتھوں سے فتح ہوئی
ہے۔ اور جو ان کے بعد ان سے پیچھے آنیوالوں نے فتح کی ہے۔ اس لئے خطاب
حاضرین کے ساتھ خاص نہیں رہا۔

عکرمہ کہتا ہے کہ ارضا لم تطؤھا سے وہ ساری زمین مراد ہے جو قیامت
تک مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوگی۔

قتادہ کہتا ہے کہ ہم ذکر کیا کرتے تھے کہ وہ سرزمین مکہ ہے۔

یزید ابن رومان اور ابن زید اور مقاتل کا قول ہے کہ وہ خیبر ہے الغرض
جس طرح اس آیت کریمہ کے معطوف میں بقرینہ معطوف علیہ اورثکم
یا یورثکم مقدر ہے۔ اسی طرح سے وآخرین منھم میں تقدیر کلام وبعث
فی آخرین رسولاً منھم یا یبعث فی آخرین رسولاً منھم ہے۔ جس سے یا تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ثابت ہوتی ہیں یا حضرت کے ایک ظلی
نبی کی بعثت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اور کان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیراً کی طرح اسمیں
دیکھو جب آفتاب سمت الراس میں ہوتا ہے۔ ظل اپنے ذی ظل میں پوشیدہ
ہوتا ہے۔ اسی طرح وآخرین منھم کا رسول ظلی اپنے بعث فی الامیین
رسولاً منھم کے رسول ذی ظل کی ذات میں مخفی ہے۔ جب بعث فی الامیین
رسولاً منھم کے رسول کا ظہور تھا۔ تو آخرین منھم کا رسول مقدر تھا۔
جب بعث فی آخرین رسولاً منھم کے رسول کے بروز کا وقت آیا۔ تو
بعث فی الامیین رسولاً منھم کا رسول اس میں مضمر ہو گیا۔

یا یوں کہو کہ جیسا کہ سیاق آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ جب بعثت اولیٰ ظاہر
تھی۔ تو بعثت ثانیہ اس میں مقدر تھی۔ اب جو بعثت ثانیہ جلوہ افروز بروز ہوئی

تو بعثت اولیٰ اس میں مضمر ہے۔

خلاصہ کلام اس آیت میں بعثت اولیٰ یا اول کی بعثت میں بعثت اخریٰ یا آخر کی بعثت مقدر ہے اور بعثت اخریٰ یا آخر کی بعثت میں بعثت اولیٰ یا اول کی بعثت مضمر ہے سے نہ او غیر این و نہ این غیر او۔ اللہ در من قال۔

رق الزجاج و رقت الخمر۔ فتشابہا و تشاکل الامر۔ فکانما خمر ولا قدح۔ فکانما قدح ولا خمر

جس طرح بوقت تحت الشعاع۔ قمر آفتاب کی کرنوں میں چھپا ہؤا نظر سے اوجھل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے رسول کا چاند۔ بعث فی الامیین رسولاً منھم کے شمس بازغہ کے نور میں مقدر تھا لیکن جب فی الامیین رسولاً منھم کا آفتاب دنیا کی نگاہ سے حجاب اختفا میں ہو گیا تو اٰخرین منھم کا رسول چودھویں صدی کے سر پر چودھویں رات کے چاند کی طرح اولی الابصار کی چشم بصیرت میں جلوہ گر ہو گیا۔

چونکہ بقواعد نحویہ وَاٰخَرِیْنَ کا عطف فی الامیین پر ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے اٰخرین کا عطف علی الامیین یعنی بعث فی اٰخرین منھم لہذا آخرین مجرور بجار ہو کر متعلق فعل بعث ہو جاتا ہے۔ اور بعث فعل متعدی ہونیکی وجہ سے خواستگار مفعول ہے۔ جس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا ضمیر مقدر راجع الیٰ رسولاً یا اسم ظاہر خود رسولاً۔ بصورت اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں اور بصورت ثانی آنحضرت کے بعد دوسرے رسول کی بعثت ثابت ہوتی ہے۔

مفسرین کو ... ... شق اول کی نسبت یہ مشکل پیش آئی ہے کہ ایک وجود کی دو بعثتیں امر محال ہیں۔ اور دوسری شق میں ان کو خیال پیدا ہو گیا کہ حضرت کے بعد خواہ کسی قسم کا بھی دوسرا رسول نہیں آ سکتا۔ لہذا اس آیت کریمہ میں مختلف مسلک اختیار کر کے تفرقوا شذر مذر ہو گئے۔

سب سے اول آخرین منہم کے مرجع قریب آخرین کو چھوڑ کر جس کی تفسیر شارع علیہ السلام نے من ھٰولاءِ سے بیان فرمائی تھی۔ باوجود سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھکر من ھٰولاءِ کا اشارہ فرمانیکے کہ آخرین منہم میں ھم کا ضمیر آخرین یعنی اہل فارس کی طرف راجع ہے۔ جن میں سے سلمان بھی ایک فرد ہے لیکن اس اشارہ صریحہ کی طرف سے اغماض نظر کر کے ضمیر ھم کا مرجع بعیل الامیین کو قرار دینے کا تکلف گوارا کرنے لگ گئے۔

خیر اتنے راستہ تک تو زور ہیں چلے آئے۔ لیکن یہاں سے تین راستے نکلتے تھے کہ منہم کا من تبعیضیہ ہے یا تبیینیہ یا اسمیّہ باوجودیکہ حدیث مخبر صادق علیہ السلام من ھٰولاءِ کہکر باواز بلند لپکارتی رہی۔ کہ من ھٰولاءِ منہم کی تفسیر ہے۔ اور قرآن اور حدیث میں دونوں جگہ من تبعیضیہ ہے۔ لیکن اس بشارت کے سننے سے کان بند کر کے بعض اسمیہ اور بعض تبیینیہ کہنے لگ گئے۔

اس کے بعد آخرین کے تعین میں سخت الجھ گئے۔ ہرچند بنی امّی فداہ امی وابی حضرت سلمان پر دست مبارک رکھکر اور ھٰولاءِ فرماکر اہل فارس کی نسبت بالصراحۃ فرماتے رہے۔ وہ نہ عرب ہیں نہ ترک ہیں نہ دیلم ہیں نہ اہل ہند ہیں نہ حبش ہیں۔ مگر انہوں نے اس کی طرف التفات نہ کر کے کوئی ان میں سے اہل عرب کا دامن پکڑنے لگ گیا اور کوئی اقوام مختلفہ کا گریبان کھینچنے لگ گیا۔

پھر جب آخرین منہم کے عطف پر بات آئی تو بعض نے سیدھا راستہ لیا۔ اور الامیین کے دامن سے باندھ دیا۔ اور بعض نے یتلوا علیہم کی اور بعض نے یزکیھم اور بعض نے یعلمھم کی ضمیر منصوب سے جکڑنا چاہا۔ اور یہ کہکر دل کو تسلی دے لی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بالقوہ آنے والی امتوں کے معلم ہیں۔ کیونکہ علماء امت آنجناب ہی کی تعلیم امت کو دینگے

اور یہ باطل ہے کیونکہ حضور نے آخرین منہم فرمایا نہ آخرین من الامۃ

(دوئم) امت پر ایک ایسے زمانہ آنیوالے کی حضرت نے خبر دی ہے
کہ جب علماء امت اپنے مرتبہ سے گر جائینگے۔ اور یہود و نصاری کے
علماء سے مشابہت پیدا کر لیں گے۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی اس حدیث
سے واضح ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد و لکن
یقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا
فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (متفق علیہ) عبد اللہ ابن عمرو سے روایت
ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں
سے چھین کر علم کو نہیں لے لیگا۔ و لیکن علماء کو قبض کریگا یہاں تک
کہ کوئی عالم نہیں رہیگا۔ تو لوگ اس کو خلیفہ بناؤ اور قاضی اور مفتی اور امام اور رئیس
جاہل نہ قرار دے لیں گے۔ لوگ ایسے جاہل علماء سے سوال کریں گے
اور وہ فتویٰ دینگے۔ پھر آپ بھی گمراہ ہو جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی گمراہ
کریں گے۔

اور مشکوۃ میں ہے وعن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم
شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ و کیف
یذھب العلم و نحن نقرء القرآن و نقرئہ ابناءنا و یقرئہ ابناؤنا
ابناءھم الی یوم القیمۃ فقال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من
افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذہ الیھود و النصاری یقرؤن التوراۃ
و الانجیل لا یعملون مما فیھما رواہ احمد و ابن ماجہ و روی الترمذی عنہ
و کذا الدارمی عن ابی امامۃ) زیاد ابن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کسی بات کا ذکر فرما رہے تھے۔ اسی اثناء میں فرمایا
کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہوگی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

علم کس طرح سے جاتا رہے گا۔ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو قیامت تک پڑھاتے رہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے زیاد تیری ماں تجھکو گم کرے میں تیری نسبت خیال رکھتا تھا کہ تو مدینہ کے تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ ہے۔ کیا یہ یہود اور نصاری تورات اور انجیل کو نہیں پڑھتے پھر جو کچھ کہ ان دونوں کتابوں میں ہے ان میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کرتے۔ یعنی اسی طرح قرآن و اسلام اٹھ جائے گا۔

اب جب کہ تمام عقلاء ملت پکار رہے ہیں سہ۔

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے	اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی مد ہے ہر جزر کے بعد	دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

تو پھر کس منہ سے کہا جاتا ہے کہ علمائے امت ہی کے پردہ میں بالقوۃ آنحضرت روحنا فداہ تعلیم دے رہے ہیں۔

یہ بات علمائے اہل سنت کے نزدیک مسلم الثبوت ہے کہ صحابہ کرام کو بوجہ شرف صحبت نبوی تمام افراد امت پر فضیلت حاصل ہے اور کسی غیر صحابی کا صحابہ رضہ کے رتبہ تک پہونچنا متعذر ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ سے آخرین کا لحوق اہین یعنی صحابہ رضہ سے ثابت ہوتا ہے یہ لحوق ظاہر کر رہا ہے کہ ان کو بھی کسی نبی کی صحبت کا شرف حاصل ہوگا۔ اور مسیح موعود کے سوا کسی دوسرے نبی کے آنیکی خبر قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔ پس اصحاب مسیح موعود ہی وہ آخرین ہیں جنکو بوجہ شرف صحبت نبی اللہ المسیح الموعود اقمیین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراتب میں لحوق حاصل ہوا ہے۔ اور مسیح موعود آخرین یعنی ابناء فارس کا سرتاج ہے +

ہم مبایعین سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں ایسے وصف کے بیان کرنے کو جس میں سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم

کی تحقیر ہوتی ہو کفر جانتے ہیں۔ لہذا اس اعتراض کا جو ذیل میں درج ہے۔ تحقیقی جواب دینا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد وارد ہے (پ۲۸ ع ۹) (میں ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیگا۔ اس کا نام احمد ہوگا)

مبائعین محمود اس پیشگوئی کو مسیح موعود کے شان میں اعتقاد کرتے ہیں۔ جو سراسر سوء ادبی ہے۔

اللھم عفواً۔ ظاہر ہے کہ لفظ احمدؐ حمد سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ستودن کے ہیں۔ اور یہ لفظ بصورت افعل بمعنی فاعل۔ زیادہ حمد کرنے والے اور اپنے لئے زیادہ حمد کمانے والے کے معانی کو ظاہر کرتا ہے اکسب للحمد لہ۔ اور بصورت افعل بمعنی مفعول ستودہ یعنی محمودؐ کے معنی ادا کرتا ہے (دیکھو تاج العروس) لیکن بصورت مفعولیت اکثریت کے معنی نہیں دیتا۔ کہ اس کے معنی اکثر محمودیۃ من سائر المحمودین سمجھے جاتے ہوں۔ رضی لکھتا ہے قیاسہ ان یکون لتفضیل الفاعل علی غیرہ فی الفعل کاضرب۔ ای ضارب اکثر ضربا من سائر الضاربین ولا یقال اضرب بمعنی مضروب اکثر مضروبیۃ من سائر المضروبین۔

اور اسم محمدؐ تحمید سے ماخوذ ہے جس کے معنی بار بار ستودن کے ہیں اور تحمید حمد سے ابلغ ہے چنانچہ تہذیب میں ہے کثرۃ حمد اللہ سبحانہ بالمحامد الحسنۃ وھو ابلغ من الحمد۔

محمدؐ اسم مفعول ہے جس کے معنے حُمِّدَ مرۃ بعد مرۃ اخری۔ یعنی بار بار ستودہ کے ہیں (دیکھو تاج العروس)

پس جبکہ تحمید از روئے لغت عرب حمد سے ابلغ ہے تو لفظ محمدؐ بھی

احمدؐ سے ابلغ ہے۔

لفظ احمدؐ شان محبیت اور لفظ محمدؐ شان محبوبیت ظاہر کرتا ہے۔ محب اللہ ہونیکا درجہ اگرچہ درجہ رفیع ہے مگر محبوب اللہ ہونے کا درجہ ارفع ہے۔ احمد بیشک ستودہ خدا ہے۔ مگر محمدؐ باربار ستودۂ خدا ہے۔

لفظ احمد اکثر محمودیۃ من سائر المحمودین کے معنی پر حاوی نہیں۔ دیکھو رضی۔

مگر لفظ محمدؐ باب تفعیل کے اسم مفعول ہونے کی وجہ سے کثرت کے معنے پر حاوی ہے۔ دیکھو تاج العروس۔

اسم محمدؐ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص علم تھا۔ اس علم میں کوئی نبی حضور کا شریک نہیں تھا۔ مجمع بحار الانوار میں ہے لم یسم قبلہ نبی باسمہ صیانۃ من اللہ لہذا الاسم اللہ تعالیٰ نے بوجہ صیانت آپ کے نام پر کسی نبی کا نام نہیں رکھا۔ اسم احمدؐ آنحضرت کا علم کسی نے نہیں لکھا۔ اسم صفت تھا بصورت تسلیم کر لینے اسم علم کے خضر علیہ السلام بھی اس علم میں شریک تھے۔ تاج العروس میں ہے،

حکی ان الخضر علیہ السلام اسمہ کان احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم صفت بھی تھا۔ لیکن کوئی نبی اس اسم صفت میں بھی حضور کا شریک نہیں تھا!

اسم احمدؐ حضور کا اسم صفت تھا۔ لیکن تمام انبیاء علیہم السلام اس صفت احمدیہ میں آنحضرت کے شریک تھے۔ کیونکہ ہر نبی اپنی امت میں اکسب للحمد لہٗ (اپنے لئے زیادہ حمد کمانے والا) اور خدا کا سب سے زیادہ حمد کرنیوالا۔ اور محمود ہوتا ہے۔

تمام کتب شمایل نبوی میں جہاں پر حضرت کے اسماء مبارک محدثین نے محمدؐ۔ احمدؐ۔ حامد۔ ومحمود درج کئے ہیں۔ اسم محمد کو اول لکھا ہے،

اور بعد میں دوسرے اسماء[٥١] درج کیے ہیں۔ کیونکہ اسم محمد ہی حضور کا اسم شریف اشہر اسماء تھا۔ تاج العروس میں ہے محمد کان ھذا الاسم اللہ لقب علماً علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو اعظم الاسماء واشہرھا۔ یعنی اسم شریف آپکا علم اور تمام اسماء سے بڑا اور زیادہ مشہور تھا۔

پس باوجود ان خصوصیات شریفہ کے جو اسم محمد میں پائی جاتی ہیں قیاس میں نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیوں ایسے اول نمبر کے ابلغ اور جامع کمالات اسم کو جو مرات محبوبیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ترک کر کے اسم احمد کو جو اس اسم سے دوسرے نمبر پر ہے اور باعتبار وصفیت اور علمیت مشترک بین بعض الانبیاء ہے اور بجز اس پیشگوئی کے قرآن کریم کی دوسری آیت میں نہیں آیا۔ اختیار کیا ہے۔ اس ترجیح بلا مرجح کی کیا علت ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام پر تو واجب تھا کہ یہود و نصاریٰ پر سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور علو قدر کو بوجہ احسن ہویدا کرنے کے لئے آپ کے خاص الخاص اول درجہ کے اسم کو جو آپکا علم ہی ہے اور اعلےٰ وصف بھی ہے اور باعتبار وصفیت یوحدفیہ لا یوجد فی غیرہ ہے بیان فرماتے۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کے محبوب الٰہی

---

٥١ بخاری میں ہے۔ عن جبیر بن مطعم قال سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الخ جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپنے فرمایا میرے بہت نام ہیں میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں ماحی ہوں۔" اور مسلم میں ہے عن ابی موسیٰ الاشعری قال کان رسول اللہ صلعم یسمی لنا نفسہ اسماء فقال انا محمد واحمد ومقفی۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جناب سالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسماء مبارکہ بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کہ میں محمد ہوں احمد ہوں اور

ہونے کا علم نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو پھر کیا حضرت عیسیٰ نے اس سے تجاہل عارفانہ کیا ہے۔

اگر یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں تو کیا نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ نے سید السادات کو محبوب الٰہی ہونیکا مصداق نہیں جانا۔

یا اسم محمدؐ کے معنے انہ حمد مرۃ بعد مرۃ اخری (بار بار ستودہ) ان کے ذہن سے ذہول کر گئے تھے۔

یا ان کی مادری زبان عبرانی ہو یا سریانی اسم محمدؐ کے معانی ادا کرنے سے قاصر تھی۔ جو انہوں نے اس اول نمبر کے اسم سے عدول کر کے اسم احمدؐ کو جو تمام معانی مذکورہ میں اسم محمدؐ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ اس پیشگوئی میں اختیار کیا۔

جب علل مذکورۃ الصدر میں سے کوئی علت بھی ایسی نہیں کہ جس کو لحہ بھر کے لئے بھی قبول کیا جائے۔ تو اول درجہ کے اسم کو چھوڑ کر دوسرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) سے بیشک اسم احمدؐ بوجہ علو شان مظہر جمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے جسکی عظمت تک دوسرا اسم نہیں پہونچ سکتا۔ مگر ماء ولا کا الصدا۱؎ ومرعی ولا کالسعدان اسم محمد مرات جلال حضور علیہ السلام ہے اور وصف جلال متضمن صفت جمال ہے لان الجمال قد یوجد بلا جلال والجلال لا یوجد الا بجمال ربما یوجد الجمال فی المناظر الحسان و الجلال لا یوجد الا بسلطان او ما رایت الجمال فی القمر ولیس لہ قسط من الجلال والجلال فی الشمس لہا حظ اوفر من الجمال ۱۲۔ حضرت مسیح موعود نے بھی اربعین میں یہی فرمایا صفحہ ۱۴ پر (حاشیہ در حاشیہ) سلہ صدّاء عرب میں ایک کنواں ہے جسکا پانی نہایت میٹھا ہے عرب لوگ کہتے ہیں کہ پانی تو ہے مگر صدّاء جیسا میٹھا نہیں سعدان ایک گھاس ہے [illegible]

دوسرے درجہ کے اسم کو جو علماً مشترک بین بعض الانبیاء اور صفۃً مشترک ہیں ۔ سائر الانبیاء اختیار کرنے کی وجہ بجز اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت عیسیٰ نے یہ پیش گوئی ایسے رسول کے حق میں کی ہے جو خاتم النّبیّین صلے اللہ علیہ وسلم سے دوسرے نمبر پر ہے جس کا علم بھی احمد اور وصف بھی احمد ہے ۔

چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باعتبار اس وصف کے احمد من جمیع الحامدین ہیں ۔ اور مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فرزند ہے ۔ اس لئے وہ غلام احمد ہے ۔

خدا تعالیٰ نے آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں اس کی طرف ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے ۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے باعتبار حقیقت محمدیہ یعنی باعتبار خاتم کمالات نبوت ہونے اور بوجہ محبوب الٰہی ہونے کے لا نظیر لہ ہے ۔ اور چونکہ ؎ کار عاشق نیست جان من دو جاناں داشتن ۔[1] اس لئے اس کا کوئی بیٹا بھی نہیں ہے کیونکہ بیٹا باپ کا مثنیٰ ہوتا ہے ۔ ولو عاش لکان صدیقاً نبیاً ۔ لیکن وہ اللہ کا رسول ہے اور ہر رسول باعتبار اپنی قوم میں زیادہ حمد الٰہی کرنے کے اور اکسب للحمد لہ ہونے کے احمد ہوتا ہے ۔ پس باعتبار اس صفت کے یہ رسول تو احمد من جمیع الحامدین ہے اور صفت احمدیّت

---

[1] بلا شبہ تمام انبیاء علیہم السلام محمود ہوتے ہیں ۔ اور بوجہ محمودیت محبوب الٰہی بھی ہوتے ہیں ۔ مگر محمودیت کے معنی ستودہ شدن کے ہیں ۔ اور محمدیّت کے معنے بار بار ستودہ شدن کے ہیں ۔ اور بار بار ستودہ شدن کثرت پر دلالت کرتا ہے ۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ ۔ پس دیگر انبیاء محبوب الٰہی تھے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص محبوب اللہ تھے ۔

میں تمام انبیاء علیہم السلام کا شریک ہے۔ اس لئے اس کی صفت احمدیت اپنی نظیر اور ابن سے آبی نہیں ہے[1]۔ اور ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کا نظیر ہوتا ہے۔ الولد سر لابیہ۔ اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقۃ احمدیہ روحانی ابن کے وجود سے آبی نہیں۔ بلکہ مقتضی ابن روحانی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ایک روحانی ابن عطا فرمایا جو لفظاً و معناً اظہار احمدیت کرنے والا ہے۔

لفظاً غلام احمد اور معناً ابن احمد ہے اور اپنے باپ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت احمدیت سے ایسا متصف ہے۔ کہ وصفاً تو وصفاً علماً بھی احمد ہے۔ یواطی اسمہ اسمی ہو تو ایسا ہو۔ من اشبہ اباہ فما ظلم۔

پس مسیح موعود کا علم احمد ہے اور احمد جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔ حمد سے

---

[1] اسلئے آبی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی ذات کو نفع رساں خلایق بنایا ہے حضرت مسیح موعود شہادت القرآن میں فرماتے ہیں۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہونچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہونچانے والے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقایق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو نفع پہنچاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں وہ کچھ مدت تک نہیں رہتے۔ بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کرکے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں۔ لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقعہ ہو پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنے آیت کے یوں ہوں گے کہ انبیاء من حیث الظل باقی رہتے ہیں۔ بعد خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر ایک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو

شتق ہے - بدیں وجہ آپ کی نبوت کے دلایل سورۃ الحمد سے کھلتے ہیں -
اور یہ سورۃ ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہا ہے - اور ہمیشہ آپ اسی سے اپنی
نبوت پر استدلال پیش فرماتے رہے ہیں - مکاشفات یوحنا ب ۲ - میں
بھی اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے - ثم رایت ملاکا آخر نازلا من السماء
و معہ فی یدہ سفر صغیر مفتوح - یعنی میں نے ایک فرشتہ آسمان سے نازل
ہوتا ہوا دیکھا - جس کے ہاتھ میں فاتحۃ الکتاب تھی - یعنی سورۃ الحمد
تھا - پس سب امت سے زیادہ حمد الہی کرنے کی وجہ سے وہ احمد ہیں -
پس یاتی من بعدی اسمہ کی پیشگوئی کا جامہ جو حضرت عیسی ابن مریم
علیہ و علی امہ السلام نے اپنے قد کا اندازہ لگا کر اپنے مثیل اور ہم قد آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند احمد کے نام پر سیا ہے - وہ انہیں کے
ہمسر اور مثیل کے قامت رعنا کے لئے موزون ہے - لیکن بیٹے کے دشمن باپ کے
نادان دوست چاہتے ہیں - کہ وہ جامہ باپ کے قامت بلند سے گو کسی قدر
کوتاہ ہی سہی - پھر بھی باپ ہی کو پہنایا جائے -

(پ ۹ ع ۹)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں الذین یتبعون الرسول
النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل* وارد ہے
اور اس آیت میں یاتی من بعدی اسمہ احمد کی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے
اس وجہ سے احمد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں - نہ مسیح موعود
علیہ السلام -

لیکن الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ
مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل کی آیت کریمہ یاتی من بعدی
اسمہ احمد کی طرف اشارہ نہیں کرتی - کیونکہ یاتی من بعدی اسمہ
احمد کی پیشگوئی حضرت عیسی علیہ السلام کی ہے - جو انجیل میں ہے -
مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل - ایسی پیش گوئی پر دلالت کرتا ہے

* وہ لوگ پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جس کو اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں -

جو انجیل میں بھی ہو۔ اور توریت میں بھی ہو۔

پس وہ عظیم الشان پیشگوئی جو توراۃ اور انجیل دونوں میں پائی جاتی ہے وہ مثیل موسیٰ کی ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (پ ۲۹ ع ۱۳) نازل فرماکر اشارہ فرمایا ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف ہم نے رسول بناکر بھیجا تھا۔ اور اس نے اپنے مثیل کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ سو اب ہم نے موسیٰ کے مثیل کو رسول بناکر تمہارے پاس تم پر گواہی دینے والا کہ تم اس موسیٰ کی پیش گوئی کے مطابق اس مثیل موسیٰ پر ایمان لائے ہو بھیجدیا ہے۔

اب جبکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ تمام بنی اسرائیل کو اپنے مثیل کی آمد سے آگاہ کردیتے۔ اور نیز یہ بھی جتلادیتے کہ وہ کس قوم سے ہوگا۔ تاکہ بنی اسرائیل جیسی اکھڑ قوم اس عظیم الشان رسول کی اطاعت سے سرتابی کرکے مورد غضب الٰہی نہ ہو۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یقیم لک الرب الھک نبیا من اخوتک مثلی لہ تسمعون۔ (تیرا خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے میرے جیسا ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو) (استثناء ب ۱۸ ۱۵) فرماکر اپنا فرض تمام بنی اسرائیل کے سامنے ادا کردیا۔ کہ وہ تمہارے بھائیوں بنی اسمٰعیل سے جو بوجہ ام القریٰ یعنی مکہ میں رہنے یا بباعث ان پڑھ ہونے کے امی کہلاتے ہوں گے پیدا ہوگا۔

قرآن کریم نے بھی وشھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ (پ ۲۶ ع ۱) کہکر یہ شہادت ادا کردی کہ فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کے مبعوث بالرسالۃ ہونیکی شہادت دیکر اپنا فرض ادا کردیا ہے۔ کیونکہ یہ پیش خبری خدا کے حکم سے کی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قوم سے اس کا بیان کردینا فرض تھا۔

لہ ہم نے تمہاری طرف گواہی دینے والا ایک رسول بھیجا ہے۔ کہ جیسے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا

یہ پیشگوئی چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کے سامنے منجانب
اللہ بیان فرمائی تھی۔ فی الفور درج کتاب ہو گئی۔ اور تمام قوم میں شہرت
پاگئی۔ اور بباعث منجانب اللہ ہونیکے اس پیشگوئی کی وقعت اور توقیر اس درجہ
کی تھی کہ بنی اسرائیل بپاس ادب اس مثیل موسیٰ کا نام زبان پر نہیں لاتے
تھے۔ بلکہ بجائے نام لینے کے جس طرح آجکل ہم لوگ آنحضرت کہکر حضور
علیہ السلام کے اسم مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بھی اس مثیل موسیٰ
کے مبارک نام کو الرسول اور النبی یا اس سے زیادہ تصریح کے لئے النبی
الامی سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل جب حضرت یوحنا سے
ان کے عہدہ کی نسبت پوچھنے کو گئے تو انہوں نے (ا انت المسیح۔ ایلیا
انت۔ النبی انت؟ یعنی کیا تو مسیح ہے؟ کیا تو ایلیا ہے۔ کیا تو وہ
نبی ہے؟) کہہ کر استفسار کیا۔ اور آپ کا نام نہ لیا۔ دیکھو انجیل یوحنا ب ۲۱۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشگوئی تمام بنی اسرائیل میں مشتہر تھی۔ اور یہ
بات بھی اس حوالے سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اس موعود مثیل موسیٰ کا نام بنی
اسرائیل کے لوگوں کو اکثر معلوم تھا مگر وہ بپاس ادب نام مبارک زبان پر
نہیں لاتے تھے۔ ان کے نزدیک الرسول یا النبی کہدینا ہی کافی تھا جس
سے وہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ خاص رسول وہی رسول ہے کہ جس کی نسبت حضرت
موسیٰ نے پیشگوئی کی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت الذین یتبعون الرسول النبی الامی
میں الرسول۔ اور النبی اور الامی۔ اس غرض کے اظہار کے واسطے
ایک جگہ بیان ہوئے ہیں کہ بنی اسرائیل آنحضرت روحنا فداہ کا ذکر یا تو الرسول
کہکر یا النبی کہکر یا زیادہ وضاحت کے لئے النبی الامی کہہ کر کیا کرتے تھے
غالباً اب اس بیان سے تو اس پیشگوئی کی وقعت اور شہرت جو بنی اسرائیل
میں تھی۔ اظہر من الشمس وابین من الامس اولوالابصار کی نگاہ میں جلوہ

جلوہ نما ہو گئی ہو گی۔

لیکن جب انجیل کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے منہ کو شہرت کے اور بھی چار چاند لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اول تو اس پیشگوئی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل کی آمد کا ذکر تھا۔ اور حضرت موسیٰ کو وہ بنی اسرائیل کا صاحب الشرع نبی جانتے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کے منہ سے نکلی ہوئی بات جانتے تھے۔

دوئم پیشگوئی تمام انبیاء بنی اسرائیل کی مصدقہ مانتے تھے۔ جیسا کہ یوحنا معمدان جیسے بزرگ نبی جنکے ہاتھ سے خود حضرت عیسیٰ نے توبہ کا غسل لیا تھا۔ اور ان کی نسبت فرمایا تھا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں یوحنا اصطباغ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا (متی ۱۱) ظاہر ہے جکا ذکر صدر میں ہو چکا ہے۔

(سوئم) یہ پیش گوئی اس لحاظ سے بھی عیسائیوں میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بلافصل پطرس حواری نے نہایت شرح اور بسط کے ساتھ اس پیشگوئی کا ذکر ہیکل کے درمیان اپنے وعظ میں کیا تھا۔ جیسا کہ کتاب اعمال الرسل کے باب ۳ میں مذکور ہے:۔

فتوبوا وارجعوا لتمحی خطایاکم لکی تاتی اوقات الفرج من وجہ الرب ویرسل المسیح المبشر بہ لکم قبل الذی ینبغی ان السماء تقبلہ الی ازمنۃ رد کل شیئ التی تکلم عنہا اللہ بفم جمیع الانبیاء القدیسین منذ الدھر۔ فان موسیٰ قال للاباء ان نبیا مثلی سیقیم الرب الھکم من اخوتکم لہ تسمعون فی کل ما یکلمکم بہ ویکون ان کل نفس لاتسمع لذا النبی تباد من الشعب جمیع الانبیاء ایضاً من صموئیل فما بعدہ جمیع الذین تکلموا سبقوا وانباؤا بھذہ الایام۔

پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹ جائیں۔ اور اس طرح

خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہؤا ہے بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔ جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے ہمارے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا جو شخص اس نبی کی نہ سنیں گا۔ وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائیگا بلکہ صموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کہیں۔ ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔

(چہارم) اس پیشگوئی کو ستفس حواری نے بھی اپنی تقریر میں بیان کیا ہے۔ کتاب اعمال باب ۷ میں ہے۔ ھٰذا ھو موسی الذی قال لبنی اسرائیل۔ نبیاً مثلی سیقیم لکم الرب الھکم من اخوتکم لہ تسمعون۔ وہی موسیٰ ہے جس نے بنی اسرائیل سے کہا خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔ ب ۳۷۔

جیسا کہ ہمارے مسلمان غیر احمدی ان پیشگوئیوں میں جو حضرت مسیح موعود کی نسبت قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ہیں مین میکھ نکالتے ہیں۔ اسی طرح سے نصاریٰ بھی اس پیشگوئی میں کھدڑ پچیاں نکالتے ہیں۔ کہ کتاب استثناء میں اس پیشگوئی میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یقیم لک الربّ الھک نبیاً من وسطک من اخوتک مثلی لہ تسمعون۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔

جبکہ اس پیشگوئی میں من وسطک (یعنے تیرے ہی درمیان سے) کا فقرہ موجود ہے تو وہ مثیل موسیٰ بنی اسرائیل ہی میں سے ہونا چاہیئے۔ نہ باہر سے

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔ اس لیئے یہ پیشگوئی حضرت

عیسےٰ علیہ السلام پر صادق آتی ہے۔ جو بنی اسرائیل میں سے ہیں۔

لیکن جب غور کیا جاتا ہے تو فقرہ (من وسطک جسکا ترجمہ تیرے

ہی درمیان سے ہے) الحاقی ثابت ہوتا ہے۔

دیکھو پطرس حواری اپنے وعظ میں حضرت کی اس پیشگوئی کو نقل کرتے ہوئے

جس میں من وسطک کا فقرہ جسکا ترجمہ تیرے ہی درمیان سے ہے موجود

نہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ فان موسیٰ قال للاباء ان نبیًا مثلی سیقیم لکم الرب

الھکم من اخوانکم لہ تسمعون۔ یعنی چنانچہ موسی نے باپ دادوں سے کہا

کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیئے مجھہ سا ایک نبی برپا

کریگا۔ جو کچھہ وہ تمسے کہے اس کی سننا۔ دیکھو کتاب اعمال باب ۳ ۲۰۔

پھر ستفنس حواری نے بھی حضرت موسی کی اس پیشگوئی کو اپنی تقریر میں دوہرایا

ہے۔ لیکن اس نے بھی اس فقرہ کو اپنی تقریر میں بیان نہیں کیا۔ چنانچہ کتاب اعمال

میں لوقا اس تقریر کو اس طرح پر درج کرتا ہے ھذا ھو موسیٰ الذی قال

لبنی اسرائیل نبیًا مثلی سیقیم لکم الرب الھکم من اخوتکم لہ تسمعون

یعنی یہ وہی موسی ہے۔ جس نے بنی اسرائیل سے کہا خداوند خدا تمہارے لیئے

تمہارے بھائیوں میں سے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا تم اس کی طرف کان

دھریو۔ ب ۳۷۔

اب ان دونوں عبارتوں میں من وسطک کا فقرہ درج نہیں۔ جس

سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فقرہ کتاب استثناء میں بعد سے ملایا گیا ہے حضرت

عیسیٰ کے حواریوں کے زمانہ میں موجود نہیں تھا۔ ورنہ پطرس ستفنس۔ لوقا ضرور

اس کو درج کرتے۔

اب رہا یہ استدلال کہ حضرت عیسیٰ پر یہ پیشگوئی صادق آتی ہے یا نہیں؟

اس کے لئے دیکھو پطرس حواری کا وعظ جو اس نے ہیکل میں واقعہ صلیب

بعد بنی اسرائیل اور حوارئین کے مواجہ میں بیان کیا ہے - دیرسل المسیح المبشر بہ لکم قبل الذی ینبغی ان السماء تقبلہ الی ازمنۃ رد کل شیٔ التی تکلم عنہا اللہ بفم جمیع انبیائہ القدیسین منذ الدہر فان موسیٰ قال للاباء ان نبیا مثلی سیقیم الرب الٰہکم من اخوتکم لہ تسمعون فی کل ما یکلمکم بہ ویکون ان کل نفس لا تسمع لذلک النبی تباد من الشعب وجمیع الانبیاء والعہد الذی عاہد بہ اللہ اٰبائنا قائلا لابرہیم وبنسلک تتبارک جمیع قبائل الارض - الیکم اولاً اذا اقام اللہ فتاہ یسوع ارسلہ یبارککم برد کل واحد منکم عن شرورہ - اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے - ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے - جب تک کہ وہ چیزیں بحال نہ کی جائیں - جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں - چنانچہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا - جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا - اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنیں گا وہ امت میں سے نیست اور نابود کر دیا جائے گا - بلکہ صموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے نبوت کی ہے ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے - تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے شریک ہو - جو خدا نے تمہارے باپ دادوں سے باندھا - جب ابراہیم سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پائیں گے - خدا نے اپنے خادم یسوع

کو اٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس بدیوں سے پھیر کر برکت دے۔ ب ۳ - ۲۰۔

پس اگر عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کی دو آمدیں ہی فرض کر لی جائیں۔ تو پھر پطرس کے قول کے مطابق یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ کی نہ آمد اول پر چسپاں ہوتی ہے نہ آمد ثانی پر۔

آمد اول پر تو بدیں وجہ چسپاں نہیں ہوتی۔ کہ وہ اپنے وعظ میں صاف اس کا اقرار کرتا ہے کہ خدا نے اپنے خادم یسوع کو حضرت موسیٰ جیسے نبی کے برپا کرنے سے پہلے بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ خدا نے اپنے خادم یسوع کو اٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا۔

اور آمد ثانی پر بدیں وجہ چسپاں نہیں ہوتی کہ اس کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب باتیں پوری نہ ہو جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ موسےٰ نے کہا ہے خدا مجھ سا ایک نبی برپا کریگا اور صموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے نبوت کی ہے ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔ اگر یہ پیش گوئی حضرت مسیح کے حق میں ہوتی

تو جب حضرت یوحنا سے یہودی پوچھنے لگے تھے۔ ۱۱ انت ایلیا۔ ۱۱ انت المسیح النبی انت۔ تو یوحنا علیہ السلام یہ کہدیتے کہ النبی اور المسیح تو ایک ہی ہے۔ تم النبی کہکر علیحدہ کیوں پوچھتے ہو۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اور حضرت یوحنا النبی کو حضرت مسیح سے علیحدہ اعتقاد کرتے تھے۔ پس عیسائیوں کا یہ اعتقاد کہ مثیل موسیٰ حضرت مسیح ہی ہیں بالکل خلاف نفس الامر ہے

اور حضرت یوحنا اور پطرس اور بنی اسرائیل کے معتقدات کے برخلاف ہے
اور کتاب استثناء میں من وسطک کا فقرہ الحاقی ہے۔ جس کو نہ پطرس
نے نقل کیا ہے نہ ستفنس نے۔ اس لئے یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے بغیر کسی پر صادق نہیں آسکتی۔ اور یہ وہ عظیم الشان پیشگوئی ہے۔
جو حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون اور حضرت یوشع اور تمام بنی اسرائیل کے
سامنے بیان فرمائی ہے اور صموئیل سے لیکر حضرت یحیی اور پطرس حواری تک
تمام انبیاء اس کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔

چنانچہ جب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت نزدیک آگیا تو جوق در
جوق یہودی اور نصرانی اپنے وطن مالوفہ شام اور روم کو چھوڑ کر عرب میں
آگئے اور امیون یعنی باشندگان ام القریٰ وساکنان تیما یعنی طیبہ
اور جبل فاران کے پڑوس میں بسنے لگ گئے۔ کیونکہ یہی مقامات اس
مثیل موسیٰ کی بعثت اور ہجرت کے توریت اور صحائف انبیاء اور انجیل
میں بیان کئے گئے تھے۔

اور بدیں خیال کہ وہ مثیل موسیٰ بنی اسمٰعیل سے پیدا ہونیوالا ہے باوجود
تنافر قومی ومذہبی اور باوجود بنی اسمٰعیل کی بت پرستی کے انسے رشتہ داری
جس کی کہ ان کو مذہباً سخت ممانعت تھی۔ پسند کرنے لگ گئے کہ شاید
ہماری بیٹیوں کے بطن سے اور بنی اسمٰعیل کے نطفہ سے یا ہمارے
ان بیٹوں کے نطفہ سے جن کے گھر میں بنی اسمٰعیل کی لڑکیاں ہیں۔ وہ
مثیل موسیٰ پیدا ہو جائے۔ اور ہم کو بھی شرف حاصل ہو جاوے۔
یہود نے محض باہمی قرابت پر اکتفا کی۔ مگر عیسائی ان سے قدم بڑھا کر بعض
بنی اسمٰعیل کے قبایل کو دین عیسوی میں لانے لگ گئے۔

اور یہ خیال کر کے کہ شاید وہ برکت موعود ہماری اولاد کو نصیب ہو جس کا
وعدہ حضرت موسیٰ نے کیا ہے۔ اور اس کی تصدیق حضرت یوحنا نے

اور پطرس حواری نے کی ہے۔

اور حضرت عیسیٰ کے لوقا جیسے بزرگ حواری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ لگے اپنی اولاد کا نام محمدؐ رکھنے۔ شیخ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔ لما قرب زمنہ وبشر بہ اھل الکتاب سموا اولادھم بہ۔

صاحب تاج العروس نے تو ان لوگوں کے قبایل کا پتہ بھی دیا ہے کہ جن کا نام اس غرض سے محمدؐ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ قال ابن بری ومن سمی بمحمد فی الجاھلیۃ سبعۃ محمد ابن سفیان بن مجاشع التمیمی ومحمد بن عتوارۃ اللیثی الکنانی ومحمد بن احیحۃ بن الحلاج الاوسی ومحمد ابن حمران بن مالک الجعفی المعروف بالشویعر ومحمد بن خزاعی بن علقمہ۔ ومحمد بن مسلمۃ الانصاری ومحمد بن حرماز بن مالک التمیمی۔

غالباً اب ناظرین کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوریۃ والانجیل میں اسم محمدؐ کی طرف اشارہ ہے اور اسم محمدؐ یہود و نصاریٰ کے نزدیک نہایت معروف تھا۔ اسی لئے قرآن کریم میں الذین اتینھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم وارد ہے کیونکہ وہ اپنے بیٹوں کے نام محمد ہی رکھا کرتے تھے۔ اور اپنے بیٹوں کے نام محمد اس خیال سے بھی رکھتے تھے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے مثیل کا سمی اور ہم نام ہے۔ شاید اسی نام کی برکت ان ہمارے بچوں میں آجاوے اور ہم کو کفار یعنی بت پرستوں پر جنکا عرب میں غلبہ ہے فتح نصیب ہو جاوے۔ مگر ان کی بدقسمتی کہ جب وہ معروف شخص ماں باپ دونوں کی طرف سے امیون میں سے۔ یعنی خاص باشندگان مکہ میں سے جو بنی اسمٰعیل تھے۔ پیدا ہو گیا۔ تو مایوس ہو کر کہ اب وہ ہماری نسل میں سے نہیں ہو سکتا۔ جس کے لئے ہم نے اہل عرب سے رشتہ ناطہ بھی جوڑا تھا۔ بوجہ منافرت قومی اس کے منکر بن بیٹھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم

قریب آ گیا اور اہل کتاب نے لوگوں کو بشارت دی تو لوگوں نے اپنی اولاد کا نام محمد رکھنا شروع کر دیا۔
جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو۔

ما عرفوا کفروا بہ۔ اور پہلے اس کے بوسیلہ اس رسول کے فتح طلب کرتے تھے کفار پر یس جب

پس الذین یتبعون الرسول النبی الامی میں الرسول اور النبی جو دو

معرف باللام ہیں اپنے علم اسم محمد پر دال ہیں۔ جسکی پیش گوئی تورات میں حضرت

موسیٰ نے اور انجیل میں حضرت یحییٰ نے کی ہے اور حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس

سنفس لوقا نے اس کی تصدیق کی ہے۔ اور یہی علم یہود میں معرف باللام الرسول

اور النبی سے تعبیر ہوتا تھا اور اسی علم کو یہود حضرت موسیٰ کی پیشگوئی اور نصاریٰ

حضرت موسیٰ اور یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے حواری لوقا کی پیش خبری یقین کرکے

اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے تھے۔ پس یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم یعنی

اسم مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل تھا جو تحریف کرنے والوں نے بعد

میں ان کتابوں سے نکال دیا۔

اسم احمد کی پیشگوئی صرف انجیل میں ہے۔ جسطرح حضرت موسیٰ پر اپنے

مثیل کے لئے پیش گوئی کرنا واجب تھی۔ ویسی ہی حضرت مسیح پر بھی اپنے مثیل

کی نسبت پیش گوئی واجب تھی۔ سو حضرت عیسیٰ نے مبشرا برسول یاتی

من بعدی اسمہ احمد۔ کہہ کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ سو یہ پیشگوئی متعلق مسیح

موعود ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ باسم

فاعل المبشر تھا۔ اور احمد یعنی مسیح موعود کا عہدہ باسم مفعول المبشر

ہے۔

پطرس حواری واقعہ صلیب کے بعد ہیکل میں وعظ کرتا ہوا کہتا ہے۔ خدا نے

اپنے خادم یسوع کو جلال دیا جسے تم نے پکڑوا دیا۔ جب پیلاطوس نے اس کو

چھوڑ دینے کا قصد کیا تو تم نے اس کے سامنے انکار کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم

نے یہ کام نادانی سے کیا۔ پس توبہ کرو تاکہ تمہارے گناہ مٹا دیئے جائیں

اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں۔ اور وہ اس مسیح

وہ جو اپنے پاس سے تازگی کے دن ... پہلا ... رسول ان کے پاس ... بھیجے

سلام اور پہلے ... اس کے ... رسول کے ... فتح طلب کرتے ... کفار پر ... جب وہ جانا ... پہچانا رسول ان ... کفر کیا ... پطرس ... تو وہ ...

کو جو تمہارے واسطے مقرر ہؤا ہے بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔

اب دیکھو اس تقریر میں ایک جملہ ہے جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے (اور وہ مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہؤا ہے بھیجے) انجیل عربی مطبوعہ لنڈن ۱۸۵۷ء میں اس کا ترجمہ یوں ہے۔ و یرسل المنادی بہ لکم اور اسی کے مطابق پرانے اردو ترجمہ میں ہے :- (اور اس مسیح کو تم لوگوں کے درمیان بھیجے جسکی منادی تم لوگوں کے درمیان ہوئی ہے لیکن نیویارک کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۹۱۶ء اور لنڈن آکسفورڈ کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۷۶ء اور مطبوعہ ۱۸۹۰ء میں بجائے المنادی بہ لکم کے المسیح المبشر بہ لکم لکھا ہے۔ جبکا اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۱۶ء اور ۱۹۰۸ء میں لفظ مقرر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ خواہ لفظ المنادی بہ کہو۔ خواہ المبشر بہ ہمارا مدعا ثابت ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشراً برسول تھے اور وہ رسول المسیح المبشر بہ یا مسیح موعود ہے۔ جس کی نسبت اردو تراجم والوں نے لکھا ہے (اور اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہؤا ہے بھیجے) لفظ مقرر المعہود اور الموعود کا ترجمہ ہے۔

باعتبار اس کے کہ تمام انبیاء نے آپ کی نسبت منادی کی ہے آپ المسیح المنادی بہ ہیں۔ اور باعتبار اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپکی نسبت بشارت دینے سے مبشر کا عہدہ پایا تھا۔ بس آپ المسیح المبشر بہ ہیں !-

اور باعتبار اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی آمد کی نسبت وعدہ دیا ہے۔ آپ المسیح الموعود ہیں۔

اور باعتبار اس کے خدا تعالےٰ نے ان کے مبعوث فرمانیکا عہد کیا ہے

آپ المسیح الموعود مصداق مبشرا برسول یاتی من بعدی

بعض لوگ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کے ساتھ فلما جاءھم بالبینات کی آیت وارد ہوئی ہے۔ اور جاء فعل ماضی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احمدؐ جن کے حق میں یہ پیشگوئی ہے۔ نزول آیت سے پہلے مبعوث بالرسالہ ہو چکے تھے۔ اس لئے یہ پیش گوئی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود کے حق میں نہیں ہو سکتی۔

لیکن لفظ ماضی بمعنے مستقبل قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں آیا ہے چنانچہ علامہ رضی شرح کافیہ میں لکھتا ہے دیتصرف الی المستقبل ایضاً عن الامور المستقبلۃ مع قصد القطع بوقوعھا کقولہ تعالیٰ ونادی اصحاب الجنۃ وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ۔ یعنی کبھی صیغہ ماضی مستقبل کی طرف ان امور مستقبل کی خبر دینے کا قصد کرکے جو قطعاً واقع ہوں گے لوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نادی اصحاب الجنۃ جنت والوں نے پکارا یعنی پکاریں گے اور دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا۔ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرے ان کو جنت کی طرف گروہ گروہ کرکے چلایا گیا۔ یعنی چلائے جائیں گے۔

ان دونوں آیتوں میں صیغہ ماضی مستقبل کے معنے دیتا ہے۔ پس اسی طرح سے چونکہ جناب مسیح موعود کی آمد جو ارادہ الٰہی میں قطعی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس فعل کے قطعی وقوع کا ارادہ فرما کر صیغہ ماضی بمعنی مستقبل سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ پیش گوئی حضرت مسیح موعود کے حق میں ہے۔ جن کا نام احمد ہے آنحضرت ؐ ان کے القاب سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم سے ان کی نسبت پیش گوئی فرمائی ہے۔ کیا ہی دونوں پیش گوئیاں لطیف ہیں۔ کہ احمد تو آنحضرت کا وصفی اسم ہے۔ حضرت عیسیٰ نے مسیح موعود کے حق میں آنحضرت کے وصفی اسم

احمدؐ سے پیش گوئی کی ہے۔ جو مسیح موعود کا اسم علم ہے۔

اور مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصفی اسم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احمد کے حق میں حضرت عیسیٰ کے وصفی اسم سے پیش گوئی فرمائی ہے۔ جو مسیح موعود کا وصفی اسم ہے۔

ان دونوں پیش گوئیوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ انسان کامل جس کا علم احمدؐ اور اسم وصفی مسیح موعود ہے جیسے حضرت عیسیٰ کا بروز کامل ہے ویسے ہی آنحضرت کا مظہر اتم ہے۔ حضرت مسیح نے اس کو آنحضرت کا مظہر اور آنحضرت نے اس کو حضرت مسیح کا بروز بیان فرمایا ہے۔

پس جو فرد کامل حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز کامل اور مظہر اتم ہو

اس موعود کو کیوں نہ نبی اللہ کہا جائے !!!۔

تعجب ہے کہ ایلیاء کے بروز حضرت یحییٰ تو نبی اللہ ہوں مگر حضرت عیسےٰ کے بروز اور آنحضرت کے مظہر کو لقب نبی اللہ سے نہ یاد کیا جاوے۔ تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ

اور جن احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انا محمد و انا احمد بیان فرمایا ہے وہاں حضور علیہ السلام کی اپنے اعلام کی تعداد کا اظہار ہرگز مقصود نہیں تھا، کیونکہ کسی شخص کے متعدد نام ہونے سے اس کی ذات میں کوئی امتیازی فخر پیدا نہیں ہو جاتا۔ آنجناب کی غرض ان احادیث میں اپنے متعدد صفات کے بیان فرمانے کی تھی محمدؐ آپکا علم بھی تھا۔ اور اسم صفت بھی تھا۔ احمد حامد محمود۔ حمّاد۔ یہ سب اسماء صفتی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی علم نہیں تھا۔ اور باعتبار صفات آپ احمد الحامدین تھے۔

وصلی اللہ علیہ وسلم

اور سیدنا مسیح موعود باعتبار علم اور صفت احمد تھے علیہ الصلوٰۃ والسلام

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر نبی کتاب لایا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ انزل معہم الکتب سے ظاہر ہے اور ہر کتاب آسمانی کتاب شریعت ہوتی ہے۔

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب کتاب نہیں۔ اس لئے آپ نبی نہیں لیکن قرآن کریم کی آیات پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تین صنف کے گذرے ہیں۔

(الف) بعض محض البینات یعنی معجزات الباہرات کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے۔

(۱) ولقد جاءتھم رسلھم بالبینات فما کانوا لیومنوا بما کذبوا من قبل (سورۂ اعراف) اور تحقیق ان کے پاس پہونچے ان کے رسول نشانیاں لیکر پھر ہرگز نہ ہوئے کہ ایمان لائیں اس بات پر کہ جو پہلے جھٹلا چکے۔

(۲) ذلک بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینات فقالوا ابشر یھدونا (سورۂ تغابن) یہ اس پر کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں۔ پھر کہنے کیا آدمی ہم کو راہ سجھادیں گے۔

(۳) وجاءتھم رسلھم بالبینات وما کانوا لیومنوا (سورۂ یونس) اور آئے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لیکر اور ہرگز نہ تھے وہ ایمان لانے والے۔

(۴) ولقد ارسلنا من قبلک رسلاً الی قومھم فجاءوھم بالبینات فانتقمنا من الذین اجرموا۔ (سورۂ روم) اور تحقیق ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس پھر آئے ان کے پاس پتے لیکر پھر بدلا لیا ہم نے ان سے جو گنہگار تھے۔

(۵) ثم بعثنا من بعدہٖ رسلاً الی قومھم فجاءوھم بالبینات (سورۂ یونس) پھر بھیجے ہم نے اس کے پیچھے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کی طرف پھر لائے ان کے پاس کھلی نشانیاں۔

(ف) دیکھو ان آیات میں انبیاء کے ساتھ محض (بینات) کا ذکر ہے۔

(ب) بعض انبیاء علیہم السلام البینات کے ساتھ الزّبر یعنی نوشتہ متضمن زواجر و مواعظ و حکم بھی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ جیسا کہ آیت ذیل سے ظاہر ہے۔

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینات والزبر (سورہ نحل)۔
پس پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم بینات اور زبر نہیں جانتے۔

(ج) بعض اولو العزم البینات اور الزبر کے ساتھ الکتب المنیر یعنے مجموعہ احکام شریعت بھی لائے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ہویدا ہے

فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک جاؤا بالبینات والزبر و الکتب المنیر۔ (سورۂ آل عمران) پس اگر جھٹلادیں تجھکو پس جھٹلائے گئے پیغمبر تجھ سے پہلے آئے تھے ساتھ دلیلوں اور چھوٹی کتابوں اور کتاب روشن کے۔

بعض لوگ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ الزبر اور الکتب مترادف ہیں۔ الزبر زبور کی جمع ہے۔ جس کے معنے کتاب اور مکتوب کے ہیں۔ چنانچہ زوزنی لکھتا ہے الزّبر جمع زبور وھو الکتاب۔ اور زبور بروزن فعول بمعنے مفعول ہے۔ جیسے رکوب اور حلوب بمعنے مرکوب اور محلوب۔ اور کتاب کا لفظ بعض کے نزدیک مصدر ہے کہ بوجہ مبالغہ مکتوب کو کتاب کہا جاتا ہے۔ جیسے محسوب کو حساب مخلوق کو خلق۔ مصور بالفتح کو تصویر۔ عرب کا محاورہ ہے الدرھم ضرب ای مضروب۔

اور بعض کہتے ہیں فعال کا وزن ہی مفعول کے واسطے وضع ہوا ہے۔ جیسے لباس بمعنی ملبوس۔

پس چونکہ کتاب کے معنے بھی مکتوب کے ہیں۔ از زبور کے معنے بھی مکتوب ہی کے ہیں اس لئے یہ دونوں لفظ مترادف یک دیگر ہیں۔ اور اس آیت میں عطف من قبیل عطف مترادفین لاختلاف اللفظ ہے۔ اور یہ کلام عرب میں جائز ہے۔

عنترہ کہتا ہے ۔ اقوی واقفر بعد ام الھیثم ۔ یعنی ام ہیثم کے بعد یہ گھر ویران اور اجاڑ ہو گیا ہے ۔

لیکن سورہ فاطر کی آیت وان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلھم جاءتھم رسلھم بالبینات وبالزبر وبالکتٰب المنیر۔ یعنی اگر جھٹلائیں تجھکو پس تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ۔ آئے تھے ان کے پاس پیغمبر انکو ساتھ دلیلوں کے اور ساتھ چھوٹی کتابوں کے اور ساتھ کتاب روشن کے ۔ ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح البینات ۔ الزبر سے جدا چیز ہے ۔ اسی طرح الزبر الکتب سے جدا چیز ہے ۔ یہ آیت من وجہ آیت مذکورہ سورہ آل عمران کی تفسیر کرتی ہے ۔ کہ جیسے البینات اور الزبر باہم مغائر بالذات ہیں ۔ کیونکہ قرآن کریم کے سوا کتب سابقہ البینات میں داخل نہیں ۔ چنانچہ قنوی لکھتا ہے ۔ البینات المعجزات غیر الکتب اذ الکتب المتقدمۃ لیست بمعجزۃ یعنی بینات سے مراد معجزات ہیں ۔ جو کتابوں کے سوا ہیں ۔ کیونکہ پہلی کتابیں معجزہ نہیں تھیں ۔ ویسے ہی الزبر اور الکتٰب المنیر بھی ایک دوسرے سے بالذات مغائر ہیں ۔

اور مغایرۃ کی دلیل ہے کہ اس آیت میں پہلے حرف جار البینات پر ہے اور پھر الزبر پر از اں بعد الکتٰب المنیر پر اور نحو میں مقرر ہے کہ جار کا اعادہ بالذات مقتضی مغایرۃ ہے ۔ قنوی میں ہے ۔ اعادۃ الجار تقتضی المغایرۃ بالذات ۔ اور مغائرۃ یہ ہے کہ الکتب نی عرف القرآن ما یتضمن الشرایع والاحکام ۔ ہوتی ہے ۔

اور الزبر کے معنی مواعظ وزواجر ہیں ۔ عرب میں محاورہ ہے زبرتہ اذا زجرتہ ۔ یعنی میں نے اس کو کسی کام سے روک دیا ۔

اسی وجہ سے بعض مفسرین نے اس آیت میں الکتٰب المنیر کے معنی تورات بیان کئے ہیں ۔ کیونکہ کتب سابقہ میں توریت کے سوا کوئی کتاب کتاب شریعت نہیں

لہ الکتب

قرآن کے عرف

یعنی اس

آسمانی کتاب

کہتے ہیں جو شریعت اور احکام

پر شامل ہو ۔۱۲

پس جبکہ البینات کا الزبر سے اور الزبر کا الکتب المنیر سے مغائر بالذات ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ تو ان تینوں کا جمع ہونا نہ ہر ایک نبی کی ذات میں ضروری ہے اور نہ غیر ضروری ہے۔ قونوی لکھتا ہے۔ لیس المراد ان کل رسول جاء بجمیع ما ذکر حتی یلزم ان لکل رسول کتاب بل المراد بعضہم جاء بھذا و بعضہم الاٰخر جاء بھذا الاٰخر ولا ینافی جمع بعضہم لبعض اٰخر کالکتاب مع المعجزۃ۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک رسول مذکورہ بالا تمام چیزیں یعنی بالبینات اور زبر اور کتاب لایا ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ ہر رسول کے لئے کتاب ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ بعض البینات لائے ہیں۔ اور بعض زبر اور بعض کتاب منیر لائے ہیں۔ اور بعض کے لئے تمام امور کا جمع ہو جانا بھی منافی نہیں۔ جیساکہ کتاب اور معجزہ کا جمع ہونا۔

قرآن کریم میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسول کیلئے البینات یعنی معجزات کا ہونا تو ضروری ہے۔ مگر الزبر یا الکتاب المنیر کا ساتھ لانا ضروری نہیں۔

دیکھو حضرت صالح پیغمبر علیہ السلام کی نسبت قرآن کریم میں ہے۔ و الیٰ ثمود اخاھم صلحا قال یٰقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم۔ (سورۃ اعراف) اور ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہنے لگا۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے کوئی خدا نہیں تحقیق تمہارے رب سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے۔

اور حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت ہے۔ قال ارایتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی۔ حضرت شعیب نے کہا کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں۔

اب غور کرو کہ ان دونوں نبیوں کو البینات تو من جانب اللہ عطا ہوئیں۔ مگر

ان کو زبر اور الکتٰب ملنے کی نسبت قرآن کریم خاموش ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی صاحب الزبر ہوں۔ لیکن چونکہ قرآن کریم نے ان کے الزبر کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ ہم اپنی طرف سے ان کی نسبت یہ تجویز نہیں کرسکتے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال پر غور کرو۔ ہنوز آپ کو الکتاب المنیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ آپ فرعون کے دربار میں جاکر کیا فرماتے ہیں۔

قال موسیٰ یفرعون انی رسول من رب العلمین حقیق علیٰ ان لا اقول الا علی اللہ الحق قد جئتکم ببینۃ من ربکم۔ موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کی جانب سے رسول ہوں۔ مجکو لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سوائے سچی بات کے اور کچھ نہ کہوں۔ میں اپنے رب کی طرف سے کھلے دلایل کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں۔

کیا جب تک کہ آپ کو تورات عطاء نہیں ہوئی تھی۔ آپ رسول نہیں تھے۔ حاشا وکلا۔ تورات تو آنجناب کو اس واقع کے بہت بعد ملی تھی۔ فرعون غرق ہوچکا تھا۔ آپ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل کر وادی سینا میں داخل ہوچکے تھے۔ لیکن آپ خدا کے رسول اور صاحب البینات تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کے لئے صاحب البینات کا ہونا ضروری ہے نہ مالک کتاب ہونا۔

انزل معھم الکتٰب (ان کے ساتھ کتاب اوتاری گئی) اول تو مسورہ کلیہ نہیں۔ اس لئے اکثر مفسرین نے اس کی تفسیر یوں کی ہے

(۱) لا یرید انہ انزل مع کل واحد کتابًا فان اکثرھم لم یکن لھم کتابًا وانما کانوا یاخذون بکتب من قبلھم (بیضاوی) اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک نبی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔ کیونکہ اکثر انبیاء ایسے بھی تھے کہ جن کے لئے کتاب نہیں تھی۔ اور وہ اپنے سے پہلی کتاب کے ساتھ تمسک کیا کرتے تھے۔

(۲) انزل معہم الکتٰب اراد بہ بعضہم لانہ لم ینزل مع کل نبی کتاب (مجمع البیان) معہم الکتٰب سے خدا تعالےٰ نے بعض انبیاءؑ مراد لئے ہیں۔ کیونکہ ہر نبی کے ساتھ کتاب نازل نہیں ہوئی۔

(۳) امام رازی فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ بعث فی بنی اسرائیل الوفا من الانبیاء لیس معہم الکتٰب (تفسیر کبیر) تحقیق اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل میں ہزار ہا انبیاء ایسے مبعوث فرمائے۔ جن کے ساتھ کتاب نہیں تھی۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی صاحب البینات رسول ہیں اور قرآن کریم کے تابع ہیں جو الکتاب المنیر ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ہر کتاب کتاب شریعت ہوتی ہے۔ گو یہ مسئلہ مانحن فیہ میں سے نہیں۔ لیکن ایسا کہنا بھی سراسر تحکم ہے۔ کیونکہ جہاں تک قرآن کریم کی آیات بینات میں غور کیا جاتا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ دو ہی کتابیں کتاب شریعت ہیں۔ قرآن کریم اور قرآن کریم سے پہلے توراۃ شریف۔

دیکھو قرآن کریم زبور و انجیل کو چھوڑ کر توراۃ کی نسبت دو جگہ فرماتا ہے۔

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃً یعنی قرآن کریم سے پہلے کتاب موسیٰ امام اور رحمت تھی۔ (سورۂ ھود۔ سورۂ احقاف)

تیسری جگہ فرماتا ہے۔ قالوا یا قوم انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ۔ انہوں نے کہا ہم نے ایک کتاب سنی ہے۔ جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ (سورۂ احقاف)

اس آیت کریمہ میں بھی توراۃ کے بعد زبور اور انجیل کا ذکر چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کریم سے پہلے کتاب موسیٰ اور کتاب موسیٰ کے بعد قرآن کریم کا خصوصیت کیساتھ ذکر کرنا۔ اور درمیانی کتب کا نام نہ لینا صاف اس بات کی دلیل ہے۔ کہ قرآن کریم سے پہلے کتاب موسیٰ اور کتاب موسیٰ کے بعد قرآن کریم ہی کتاب شریعت ہے۔ اگر زبور وانجیل بھی کتب شریعت ہوتیں تو ضرور ان کا بھی ذکر ہوتا۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں فرقان کا لفظ یا تو توریت کے لئے یا قرآن مجید کے لئے آیا ہے۔

قرآن کریم کی نسبت ہے۔ تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعلمین نذیرا۔ بڑی برکت ہے اسکی جس نے اتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ تاکہ ہو جہان والوں کو ڈرانے والا (سورۂ فرقان)

توریت شریف کے بابت ہے۔ واذ اتینا موسی الکتب والفرقان لعلکم تہتدون۔ جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوتی تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں فرقان سے مراد الفرق بین الحلال والحرام ہے حلال وحرام میں فرق بیان کرنے والی کتابیں توریت اور قرآن کریم ہی ہیں۔ زبور اور انجیل کو خدا تعالےٰ نے اس خطاب سے یاد نہیں فرمایا۔

دیکھو قرآن کریم کے لئے تبیانا لکل شیءٍ اور توریت کے لئے تفصیلاً لکل شیءٍ نازل ہوا ہے۔ اور دیگر کتب کو یہ فخر حاصل نہیں ہوا۔ تفصیلاً لکل شیءٍ اور تبیانا لکل شیءٍ اس وقت ہو سکتی ہیں۔ جب ان میں مواعظ

وزواجر اور حکم ساتھ شریعت فارقہ بین الحلال والحرام بھی ہوتی۔

بعض لوگ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مالک شریعت نہ ہوتے۔ تو ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (اور میں حلال کرتا ہوں بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں) کیوں فرماتے۔ ابو عبیدہ اس آیت کریمہ کی نسبت لکھتا ہے۔ اراد بقولہ بعض الذی حرم کل الذی حرم۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض الذی حرم فرماکر کل الذی حرم مراد لیا ہے۔ اور اس آیت میں لفظ بعض نے کل کے معنے دیئے ہیں ابو عبیدہ اپنے اس قول کی تائید میں لبید کے اس شعر کو پیش کرتا ہے ؎

تراک امکنۃ اذا لم ارضہا او ترتبط بعض النفوس حمامہا۔

یعنی میں مکان چھوڑ دیتا ہوں۔ جبکہ وہ مجکو پسند نہیں آتے۔ مگر جبکہ تمام جانوں کو موت آجاوے تو میں مجبور ہو جاتا ہوں۔ پس آیت کے معنے یہ ہوئے۔ کہ میں ان کل چیزوں کو جو تم پر حرام کی گئی ہیں حلال کرتا ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حرام اور حلال میں فرق کرنے والے تھے۔ تو ان کی انجیل بھی کتاب شریعت ہوئی۔ اور تم کہتے ہو کہ قرآن سے پہلے توریت کے سوا کوئی کتاب شریعت نہیں۔

اس کا جواب چند طرح پر ہے۔

(اوّل) ابو عبیدہ کے اس قول پر کہ اس آیت میں لفظ بعض کے معنے کل کے ہیں۔ زجاج کہتا ہے۔ وخطاء ابو عبیدہ من وجہین احدہما ان البعض لایکون بمعنی الکل والثانی لایجوز تحلیل جمیع المحرمات۔ لانہ یدخل الکذب والظلم والقتل فیہ ومعناہ او ترتبط بعض النفوس حمامہا۔ ای نفسی یعنی ابو عبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں دو وجہ سے خطا کی ہے۔ ایک تو یہ کہ بعض کے معنے کل کے۔ لغات عرب میں کہیں نہیں آئے دوم کل محرمات کی تحلیل کسی طرح سے بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ پھر تو کذب وظلم قتل وغیرہ بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اور لبید کے شعر کو جو ابو عبیدہ نے پیش کیا

اوتبتط النفوس حمامها میں لبید نے بعض النفوس سے اپنی جان مراد لی ہے یعنی جب میری جان کو موت آجائے تو میں وہاں سے نہیں ٹل سکتا۔ ورنہ بحالت ناپسندیدگی وہاں نہیں رہتا۔ شارح زوزنی بھی اس شعر کے یہی معنے کئے ہیں۔

(دویم) احرّم علیکم سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جو تم پر حرام کیا گیا ہے، میں اس کو حلال کرتا ہوں۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جو تورات میں حرام کیا گیا تھا میں ان اشیاء کو تم پر حلال کرتا ہوں۔ کہ جس سے یہ نتیجہ نکالا جاوے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناسخ شریعت توراۃ اور مالک شریعت جدیدہ تھے کیونکہ آیت کریمہ میں کوئی اشارہ تورات کی طرف نہیں ہے۔

(سویم) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض اشیاء کی حلت کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔ اور آپ کا یہ فتویٰ دینا محض مفتیانہ حیثیت سے تھا نہ شارعانہ حیثیت سے اور وہ بھی چند کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ جن کی حرمت میں توریت تو ساکت تھی۔ اور شریعت ابراہیمی میں حلال تھیں۔ مگر حضرت اسرائیل یعقوب علیہ السلام نے بوجہ عروض مرض نقرس یا وجع الخاصرہ ان کے کھانے سے اپنی ذات کے لئے پرہیز اختیار کر رکھا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے بدیں وجہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان اشیاء سے پرہیز کیا ہے۔ ان اشیاء کو حرام مطلق جانتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے۔ کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسه من قبل ان تنزل التوراۃ۔ ہر کھانے کی چیز بنی اسرائیل کے لئے حلال تھی۔ مگر وہ چیز کہ اسرائیل یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نازل ہونے سے پیشتر اپنے نفس پر حرام کر لی تھی۔ کلبی لکھتا ہے ان یعقوب علیه السلام کان یصیبه عرق النساء فحرم علی نفسه لحم الجمل والشحوم ولم یکن ذالک حراما علیهم فی التوریة وانما حرموا علی انفسهم اتباعا لابیهم واضافوا تحریمه الی الله

تعالیٰ۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کو مرض عرق النساء تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے نفس پر اونٹ کا گوشت اور چربی حرام کر لی تھی۔ بنی اسرائیل پر یہ چیزیں توراۃ میں حرام نہیں تھیں۔ مگر انہوں نے اپنے نفوس پر باتباع اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان اشیاء کو حرام کر لیا تھا۔ اور ان چیزوں کی حرمت کو خدا کی طرف منسوب کر کے کہا تھا۔ پس یہی چند چیزیں تھیں جنکی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مفتیانہ فتویٰ دیا تھا۔ جو توراۃ میں حرام نہیں تھیں اور یہ جھگڑا دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اٹھا تھا۔

الغرض یہ مسلک فقط اس خاکسار کا ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مالک شریعت جدیدہ نہیں تھے۔ بلکہ ہمارے آقا سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کا بھی یہی مذہب تھا۔ چنانچہ آنجناب فرماتے ہیں۔ واما عیسیٰ علیہ السلام فھو من خدام الشریعۃ الاسرائیلیۃ ومن انبیاء سلسلۃ الموسویۃ وما اوتی لہ شرعاً کاملۃ مستقلۃ ولا یوجد فی کتابہ تفصیل الحلال والحرام والموارثۃ و النکاح۔ اور لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پس وہ شریعت اسرائیلیہ کے خدام اور سلسلہ موسویہ کے انبیاء میں سے تھے۔ ان کو شریعت کاملہ اور مستقلہ نہیں دی گئی تھی۔ اور ان کی کتاب میں حلال اور حرام اور ورثہ اور نکاح وغیرہ کے احکام نہیں پائے جاتے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ وانزل علیہ الانجیل فیہ مواعظ وامثال ولیس فیھا قصاص ولا احکام حدود ولا فرض مواریث۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری گئی۔ جس میں مواعظ اور امثال ہی ہیں۔ قصاص اور احکام حدود اور فرض مواریث نہیں ہیں (مجمع البیان)

بشپ لیفرائے لکھتا ہے۔ یسوع مسیح ہرگز شارع نہ تھا جن معنوں میں حضرت موسیٰ صاحب شریعت تھے۔

انجیل کے دیکھنے سے کبھی کہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت عطا نہیں ہوئی۔ یوحنا کی انجیل میں ہے شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی۔ (پ ۱۷)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ کتاب اعمال میں ہے موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے (پ ۵)

تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں سوا چند لوگوں کے دین عیسوی میں لوگ کم داخل ہوئے ہیں۔ بوجہ قلت جمعیت مقدمات قصاص وجنایات ودیت وغیرہ پیش نہیں آئے۔ جن کے نہ پیش آنے کی وجہ سے شریعت جدیدہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کے سردار اور مالک وحدت تھری نہیں تھے۔ بلکہ رومی گورنمنٹ کے زیر اثر رومن لا کے ماتحت چلنا ان کے لئے ضروری تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ السلام کو ایسے وقت میں شریعت جدیدہ عطا ہوتی تو اس کے احکام کی تنفیذ میں روم امپائر کی طرف سے سخت مزاحمت پیش آتی۔ بات بات میں رومن لا کا لحاظ رکھنا پڑتا۔ اور نہ رکھنے میں مقابلہ کرنا پڑتا۔ جو ایسے وقت میں تکلیف مالایطاق بھی لایکلف اللہ اس لئے خدا تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حوارین کو شریعت موسویہ کے ماتحت رکھا کیونکہ شریعت موسویہ کے مطابق ملت یہود کے مقدمات کا فیصل ہونا رومی گورنمنٹ سے پاس ہو چکا تھا۔ اور شریعت جدیدہ کا بغیر اجتماع ملی پاس کرانا مشکل تھا۔ اس لئے آپ کے فتاویٰ متعلق حلت وحرمت بعض اشیاء محدود ہے۔ جن میں رومی گورنمنٹ کو دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی

الغرض یہ کہنا کہ تمام انبیاء صاحب شرائع جدیدہ ہوئے ہیں بالکل درست نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کیا گیا۔

بغیر احتیاط ... (marginal handwritten note)

نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی خبر پانیوالا ہو اور شرف مکالمۂ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

حافظ الحدیث علامہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں لا یمتنع ان یبعث نبی فی الفترۃ من یدعوا الی الشریعۃ الرسول الاخر۔ کسی نبی کے بوقت فترۃ کسی دوسرے رسول کی شریعت کی طرف دعوت کرنے پر کوئی امر مانع نہیں

اکثر اشخاص ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ پیش کرکے کہتے ہیں کہ ہر رسول مطاع ہوتا ہے۔ مطیع نہیں ہوتا۔ اور جو مطیع ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امت محمدیہ میں سے نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مطیع ہوگا۔

خلاصہ اعتراض یہ ہے۔ کہ ہر نبی صاحب کتاب و صاحب شریعت ہوتا ہے اور سابقہ شریعت کا مطیع نہیں ہوتا۔ اس لئے مسیح موعود بھی نبی نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ مسلک جیسا اقوال سلف صالحین کے مخالف ہے ویسا ہی واقعات صحیحہ کے بھی مخالف ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے بھی برخلاف ہے اور سیاق آیت کے بھی برخلاف ہے۔ اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ مومنوں کو خطاب کرکے فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر و احسن تاویلاً۔ الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلٰلاً بعیدا۔ واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدودا فکیف

اذا اصابتهم مصیبۃ بما قدمت ایدیهم ثم جاؤك یحلفون
باللہ ان اردنا الا احسانا و توفیقا اولئك الذین یعلم اللہ ما فی قلوبهم
فاعرض عنهم وعظهم وقل لهم فی انفسهم قولا بلیغا وما ارسلنا من رسول الا
لیطاع باذن اللہ - اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی فرماں برداری کرو
اور رسول کا کہا مانو! اور صاحبوں حکم کے کہ تم میں سے ہیں - پس اگر جھگڑو تم
کسی چیز میں تو پھیرو اس کو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان والے ہو - اللہ اور
پچھلے دن کے ساتھ - یہ بہتر ہے اور اچھا ہے جزا میں - کیا تو نے نہیں دیکھا ان
لوگوں کی طرف کہ دعویٰ کرتے ہیں یہ کہ وہ ایمان لائے ہیں اس چیز کے ساتھ جو
تیری طرف اتاری گئی ہے اور جو تجھ سے پہلے اتاری گئی ہے - اور ارادہ کرتے
ہیں کہ سرکشوں کی طرف حکم لیجائیں - اور تحقیق حکم کئے گئے ہیں کہ اس کیساتھ
کفر کریں - اور شیطان ارادہ کرتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں گمراہ کرے - اور
جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے - اور
رسول کی طرف تو منافقوں کو دیکھیگا کہ تجھ سے ہٹ رہتے ہیں پورا ہٹ رہنا -
پس کیونکر ہو گا جب ان کو مصیبت پہونچے گی - بسبب اس کے کہ ان کے ہاتھوں
نے آگے بھیجا ہے - پھر تیرے پاس آکر قسمیں کھاتے ہیں - کہ ہم نے بھلائی اور
موافقت کے سوا اور کچھ نہیں چاہا تھا - یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ بھی ان کے دل
میں ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے - پس ان سے منہ پھیر لے - اور ان کو نصیحت کر اور
ان کے لئے ان کے دلوں میں اثر کرنے والی بات بیان کر - اور ہم نے کوئی پیغمبر
نہیں بھیجا - مگر اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ فرماں برداری کیا جائے
اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
اطاعت کا حکم دیتا ہے - اور آنحضرت کی اطاعت کو مومنوں پر فرض کرتا ہے کہ
رسول کی اطاعت کو چھوڑ کر منافقوں کی طرح کافر سرداروں کے پاس اپنے
فیصلے نہ لیجایا کرو - اور ان کو اپنا حکم اور منصف مقرر نہ کیا کرو - متعد بات کے

فیصلہ کرنے کے لئے ہم نے اپنا رسول تمہارے پاس بھیجدیا ہے۔ کوئی رسول ازخود مطاع نہیں بن بیٹھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔

بے شبہ ہر رسول مومنوں کا مطاع ہوتا ہے۔ مطیع نہیں ہوتا۔ لیکن سیاق آیت سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ نبی غیر تشریعی نہیں ہوتا۔ یا کوئی نبی غیر تشریعی تشریعی نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔

(اوّل) چونکہ اکثر غیر احمدی احباب امام رازی کے مسلک کے پیرو ہیں۔ اس لئے ان کے مسلک کے موافق جواب عرض کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب نے اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں اکثر امام رازی کے اقوال لوگوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ ان الرسول من الانبیاء من جمع الی المعجزات من الکتاب المنزل علیہ النبی غیر الرسول من لم ینزل علیہ کتاب وانما امر ان یدعوا الی کتاب من قبلہ۔

خلاصہ یہ کہ رسول صاحب کتاب و شریعت ہوتا ہے۔ اور نبی صاحب کتاب و شریعت نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلے رسول کی کتاب اور شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت کرتا ہے۔ امام رازی کی تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ رسول تابع نہیں ہوتا۔ اور نبی رسول کا تابع اور مطیع ہوتا ہے۔ غایت ما فی الالباب آیت میں لفظ رسول وارد ہے نہ لفظ نبی۔ جس سے امام رازی کے مسلک کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول رسول کا تو مطیع شریعت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ خود صاحب شریعت ہوتا ہے۔ لیکن نبی انما امر ان یدعوا الی کتاب من قبلہ۔ یعنی پہلی شریعت کا اور پہلے رسول کے احکام کا مطیع ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو شریعت سابقہ کی طرف دعوت کرتا ہے۔ پس مولوی صاحب کا یہ اعتقاد کہ کوئی نبی کسی رسول یا نبی کا مطیع شریعت نہیں ہوتا۔ امام رازی کے مسلک کے سراسر خلاف ہے۔

اب مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ازالہ الاوہام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص کامل طور سے رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیث کے رو سے بکلی ممتنع ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانیکے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ دوسرے کا مطیع ہو۔ اس لئے کوئی نبی کسی نبی کا مطیع نہیں ہو سکتا۔ اور جو کسی نبی کا مطیع ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں ۱۔

مولوی صاحب نے یا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے یا خود سمجھنے ہی کی کوشش نہیں کی۔ حضرت مسیح موعود نے رسول کی تفسیر اپنے کلام میں صاحب نبوت تامہ سے کی ہے اور اپنے اس کلام میں تامہ کی قید لگا کر نبوت کو رسالت کا مرادف قرار دیا ہے۔ اور امام رازی کے متبعین کا جو ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اپنی تحریر میں لحاظ رکھکر حضرت عیسیٰ ابن مریم مسیح ناصری کے دوبارہ آنے پر ایمان رکھنے والوں کو جواب دیا ہے۔ کہ بزعم تمہارے حضرت مسیح ناصری خود صاحب نبوت تامہ اور صاحب شریعت رسول تھے۔ وہ دوبارہ تشریف لاکر کس طرح سے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطیع ہو سکتے ہیں اور کیونکر امتی کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر رسول مطاع اور امام ہونے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع ہو۔ بیشک ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز ہرگز نبی کا مطیع نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے تامہ کی قید لگا کر نبوت مطلقہ کو آزاد رکھا ہے۔ چنانچہ آپ براہین احمدیہ

حصّہ پنجم میں تحریر فرماتے ہیں۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی خبر پانیوالا ہو۔ اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ (انتہیٰ کلامہ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ صاحب نبوت تامہ کسی سابقہ شریعت کا متبع نہیں ہوتا۔ اور صاحب نبوت محضہ شریعت سابقہ کا متبع ہو سکتا ہے۔ امام رازی نبوت تامہ کو بلفظ رسالت تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن دونوں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ نبی غیر تشریعی شریعت سابقہ کا مطیع ہو سکتا ہے۔

الغرض جناب مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسلک کے برخلاف ہے۔ ویسا ہی امام فخرالدین رح کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔

اب ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کا یہ عقیدہ کہ کوئی نبی کسی نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔ سراسر کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مفسرین اور واقعات صحیحہ کے کسقدر برخلاف ہے۔

(۱) کیا حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام امور شریعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطیع نہیں تھے۔

(۲) کیا حضرت یحیٰی علیہ السلام جن کی نسبت اٰتینٰہ الحکم صبیاً آیا ہے۔ اور برّا بوالدیہ ارشاد ہوا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے مطیع امر نہیں تھے۔

(۳) کیا حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطیع نہ تھے۔

مولوی صاحب اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ نہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع تھے۔ اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت

ہارون علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے۔ دونوں صاحب شرع تھے دونوں صاحب امر تھے۔ دونوں صاحب کتاب تھے۔ دونوں کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے۔ اتینٰھما الکتاب المستبین۔ نہ وہ اس کا مطیع نہ یہ اس کا تابع۔

لیکن قرآن کریم کی متعدد آیات میں ان دونوں نبیوں کا ذکر آیا ہے۔ اور ہر ایک آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع اور خلیفہ تھے۔

(الف) سورۂ اعراف میں ہے۔ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا خلیفہ ہو۔ اور کام سنواریو اور مفسدوں کی راہ نہ جائیو۔

یہ ایک ایسا حکم ہے کہ ایک صاحب امر کہیں جاتے وقت اپنے کارندے کو بطور ضابطہ کلیہ کے وصیت کرتا ہے کہ میرے پیچھے ہوشیاری سے کام کرنا دیکھو کسی قسم کی بے ضابطگی نہ ہو۔ کام نہ بگڑنے پائے۔

اس آیت سے حضرت موسیٰ کا آمر اور حضرت ہارون کا فرماں پذیر اور مطیع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(ب) اسی طرح دوسری آیت میں ہے:۔ ولما رجع موسیٰ الیٰ قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ غصے میں بھرے ہوئے پچھتاتے ہوئے کہنے لگے تم نے میرے بعد میری بری نیابت کی ہے۔ اور تم نے خدا کے کام میں جلد بازی کی اور تختیاں ڈال دیں۔ اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگ

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون پر غصہ ہونا۔ اور توحید کی غیرت پر حضرت ہارون کی بزرگی کا مطلق لحاظ نہ کرنا۔ اور امر دین کیلئے اپنے

سختی کرنا۔ صاف اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضرت موسیٰ مثل ایک حکمران کے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کے سامنے حضرت ہارونؑ مثل ایک مطیع کے نہایت منت اور عاجزی کے ساتھ اپنی برأت کا یوں اظہار کیا ہے

قال ابن امّ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فلا تشمت بی الاعداء ولا تجعلنی مع القوم الظالمین ۔ حضرت ہارون کہنے لگے۔ میری ماں کے بیٹے قوم نے مجکو ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجکو قتل کر دیتے۔ مجکو سزا دیکر دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کر۔ اور ظالموں کے ساتھ مجکو مت گردان دیکھو حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کو امر بیجا نہیں سمجھتے تھے بلکہ نہایت بجا اور محض حمیت دین اور غیرت توحید کے لئے ایک امر ضروری سمجھکر کس فروتنی کے ساتھ معذرت کرتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کا شرک دیکھکر نہایت ضروری جوش سے فرماتے ہیں:۔

قال یاھرون ما منعک اذ رأیتھم ضلوا الا تتبعن افعصیت امری ۔ اے ہارون جب تونے دیکھا تھا کہ بنی اسرائیل گمراہ ہو چلے ہیں تو تجکو میری پیروی کرنے سے کس بات نے روکا تھا۔ کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

اب کون شخص ہے کہ الا تتبعن اور افعصیت امری کے الفاظ دیکھ کر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہیں۔ اور پھر حضرت ہارون کی اس عاجزی۔ یا ابن امّ لا تاخذ بلحیتی ولا براسی ۔ پر نظر کر کے اس نقطۂ خیال پر نہ پہونچ جاتا ہو۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آمرانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے سامنے مطیعانہ وقعت رکھتے تھے۔ مولوی صاحب کے متبعین واقعات پر خواہ پردہ پوشی کریں یا نہ کریں یہ الفاظ ایسے نہیں ہیں کہ جنکی تاویل کی جائے۔

مولوی صاحب جنکا مقصد اصلی ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھنا ہے

تبسم

ماں کے بیٹے میری داڑھی نہ پکڑ
۱۵
۱۲

گو وہ واقعات صحیحہ کے برخلاف کیوں نہ ہو۔ النبوۃ فی الاسلام میں قم طراز ہیں۔ توریت جیسی کچھ ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض کام حضرت ہارون کے سپرد تھے۔ اور بعض حضرت موسیٰ کے۔ یہی وجہ ہے کہ کہانت کا عہدہ حضرت ہارون کی اولاد میں رہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے جیساکہ کتب تفاسیر کو بروقت تحریر کتاب نہیں دیکھا اسی طرح توراۃ کو بھی ملاحظہ نہیں فرمایا۔ محض اپنی یادداشت پر حوالجات نقل کئے ہیں۔

لہذا توراۃ کے چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے مولوی صاحب کی تحریر پر روشنی پڑسکتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ کے اور حضرت ہارون کے عہدوں کا امتیاز نمایاں ہوجاتا ہے۔

(۱) کتاب خروج) ب ۱۔۲۔ میں ہے:۔ پھر خداوند نے حضرت موسیٰ سے کہا۔ دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لئے خدا سا بنایا ہے۔ اور تیرا بھائی تیرا پیغمبر ہوگا۔ سب کچھ جو میں تجھے حکم کروں سو تو نے کہنا۔ سو تیرا بھائی فرعون سے کہیگا۔

لیجئے حضرت ہارون کا رتبہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تھا توریت نے اس کا پردہ کھولدیا۔ مولوی صاحب نے توریت کے تذکرہ کرنیکی بے وجہ تکلیف برداشت کی ہے۔ کیونکہ وہ تو صاف لفظوں میں مولوی صاحب کے مجوزہ عقیدہ کو رد کرتی ہے۔ اور حضرت ہارون کا مطیع موسیٰ ہونا ثابت کرتی ہے۔

(۲) اب حضرت ہارون کی کہانت کا حال سنو!۔

(الف) خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ سے فرماتا ہے۔ تو بنی اسرائیل سے ہارون کو جو تیرا بھائی ہے اپنے پاس بلا اور اس کے بیٹے اس کے ساتھ ہو دیا تاکہ میرے لئے کاہن ہوں۔ خروج ب ۲۸ ۔

(ب) اور تو ہارون اور اس کے بیٹوں کو پگڑیاں پہنا۔ تاکہ کاہن ہونا ان کا

ہمیشہ کے لئے حق ہو۔ خروج ۔ ب ۹ ۔

(ج) اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔ ہارون کو مقدس کر اور مقدس لباس پہنا۔ اور اس کو چپڑ تاکہ کاہن کا کام میرے لئے کرے۔ موسیٰ نے ایسا ہی کیا خروج ۔ ب ۴۰ ۔

(د) موسیٰ نے ہارون کو کہا کہ مذبح کے نزدیک جا اور اپنی خطاکاری کی قربانی اور سوختنی قربانی گذران۔ تب ہارون مذبح پر گیا۔ ب ۹ اخبار۔

امید ہے کہ ناظرین پر منکشف ہو گیا ہوگا۔ کہ توریت حضرت موسیٰ کے آمر اور حضرت ہارون کے مطیع ہونے پر بآواز بلند شہادت ادا کرتی ہے یا نہیں؟ اور مولوی صاحب کی تحریر کے ساتھ کہاں تک اتفاق رکھتی ہے۔ کہانت کا عہدہ کس نے مقرر کیا تھا۔ اور کس نے اس کے قواعد بنائے تھے۔ اور کس کے ہاتھ سے یہ عہدہ قائم ہوا تھا۔

اب رہی یہ آیت واتینھما الکتٰب المستبین۔ اس آیت کے ضمیر تثنیہ میں حضرت ہارون موسیٰ کی تبعیت کی وجہ سے داخل ہیں۔ اور اس کے نظائر قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔

(۱) الذین اٰتیناھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ دیکھو کتاب تو حضرت موسیٰ کو ملی تھی۔ اور ھم کی ضمیر جمع میں بنی اسرائیل موسیٰ کی تبعیت کی وجہ سے داخل ہیں۔

(۲) الذین اٰتیناھم الکتٰب من قبلہ۔ بشرح صدرہ

(۳) الذین اٰتیناھم الکتاب یتلونہ۔ بشرح صدر۔

اگر غرض مذکورہ کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ تو پھر فرمائیں کتاب تو ایک تھی۔ کیا جو الہام ایک صاحب کو ہوا تھا وہی بعینہٖ دوسرے صاحب کو ہوا تھا۔ یا حضرت ہارون کو الگ ہوا تھا۔ اور ایک کتاب میں درج کئے جاتے تھے۔ یا دو کتابیں جدا جدا تھیں۔

پھر کتاب موسیٰ امام تھی یا کتاب ہارون - یا کتاب کا ایک حصہ حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا - اور دوسرا حضرت ہارون پر - پھر ان دونوں حصوں میں امتیازی نشان کیا تھا؟ - پھر حضرت موسیٰ کی شریعت تو بنی اسرائیل کے لئے تھی - اور حضرت ہارون کی شریعت کس قوم کے لئے تھی - اور اگر کہو کہ عام شریعت کے قانون حضرت موسیٰ بحکم الٰہی لکھتے تھے - مگر کہانت کے عہدہ کے متعلق حضرت ہارون نے ضوابط بالہام الٰہی مقرر کئے تھے - سو یہ بھی غلط ہے - کیونکہ کتاب احبار سے ثابت ہوتا ہے کہ کاہن کی خدمات کے تمام دستور العمل حضرت موسیٰ نے بنائے تھے - جس پر کہ حضرت ہارون اور ان کے بیٹے عمل کیا کرتے تھے - اگر یہ فرمائیں کہ توریت محرف ہے - مبدل ہے اس کا کیا اعتبار ہے تو پھر خود مولوی صاحب نے توریت کا کیوں حوالہ تحریر فرمایا ہے - دویم اگر توریت محرف ہے اور مبدل ہے - تو مولوی صاحب کسی ایسی تاریخ اسلامی یا غیر اسلامی وغیرہ کا حوالہ دیں - جس میں یہ درج ہو کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے مطیع نہیں تھے - بلکہ جداگانہ شریعت اپنے ساتھ رکھتے تھے -

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مستمرہ تھی کہ جہاں کہیں آپ دو شخصوں کو بطور سفارت بھیجتے تو ان میں سے ایک کو امام بناتے اور دوسرے کو اس کی اتباع کا حکم دیتے - قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو امام بنایا تھا - اور انہیں کی دعا سے حضرت ہارون کو ان کا وزیر مقرر کیا تھا -

(۱) سورۃ طٰہٰ میں ہے - قال رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرًا من اھلی ھٰرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرًا ونذکرک کثیرًا انک کنت بنا بصیرا قال قد اوتیت

سؤلک یاموسیٰ ولقد مننا علیک مرۃ اخریٰ۔ حضرت موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام آسان کردے میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔ میری قوت کو اس کے ذریعہ سے مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں میرا شریک بنا۔ تاکہ ہم بہت بہت تیری پاکی بیان کریں اور بہت بہت تیرا ذکر کرتے رہیں۔ بیشک تو ہم کو دیکھنے والا ہے۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ تیرا مانگا تجھ کو مل گیا۔ ہم نے دوبارہ تجھ پر احسان کیا ہے۔

(۲) وجعلنا معہ اخاہ ھٰرون وزیراہ۔ اور ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو بوجھ بانٹنے والا بنایا۔

(۳) واخی ھٰرون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردءً۔ حضرت موسیٰ نے جناب الٰہی میں عرض کی۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔ اسکو میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر بھیج۔

الغرض قرآن کریم میں جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود اس کے کہ وہ حضرت ہارون سے چھوٹے تھے۔ حضرت ہارون کے نام پر مقدم رکھا ہے۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:۔

(۱) ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ وھٰرون الیٰ فرعون ۱۰ (سورۃ یونس)

(۲) ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھٰرون بآیٰتنا وسلطان مبین ۵۲ (المومنون)

(۳) ولقد مننا علیٰ موسیٰ وھٰرون ۵۳ (والصفٰت)

(۴) سلٰم علیٰ موسیٰ وھٰرون (والصفٰت)

البتہ ایک جگہ حکایۃ عن لسان سحرۃ فرعون یعنی آیت قالوا امنا

ع ۱۰ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون کی طرف بھیجا۔۱۲

ع ۵ پھر بھیجے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند دیکر بھیجا۔

ع ۵ اور تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔۱۲

ع ۵ موسیٰ اور ہارون پر سلامتی۔۱۲

برب ھٰرون و موسیٰ میں حضرت ہارون کا نام حضرت موسیٰ سے پہلے آیا ہے

وہ لوگ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے عمر میں بڑا جانتے تھے۔ جسکا ثبوت توریت سے ملتا ہے۔ کہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ سے پہلے وفات پائی۔ اور انکی عمر ایک سو تئیس ۱۲۳ برس کی تھی۔ اور بروقت وفات حضرت موسیٰ کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی تھی۔ بباعث بزرگی سن و سال سحر فرعون نے حضرت ہارون کا نام حضرت موسیٰ سے پہلے لیا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ نے جہاں بھی ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت موسیٰ ہی کو مقدم رکھا ہے۔ یہ تقدم ذکر صاف اسبات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نے امر تبلیغ میں امام اور حضرت ہارون کو ان کا متبع بنایا تھا۔

پس بحکم فابدؤا بما بدء اللّٰہ بہ۔ جس کو خدا نے مقدم بنایا ہے۔ ہم کو چاہئے کہ اسی کو مقدم جانیں۔ اور جس کو مؤخر بیان فرمایا ہے اس کو مطیع اور تابع خیال کریں۔ مامنعک اذ رأیتھم ضلوا الا تتبعن کی آیت کو مدنظر رکھکر حضرت ہارون کو تابع اور حضرت موسیٰ کو متبوع اعتقاد کریں۔ یہ اتباع بباعث تقدم زمانی نہیں ہے۔ بلکہ باعتبار تقدم بالشرف ہے۔ ورنہ باعتبار ولادت اور وفات کے حضرت ہارون کو تقدم بالزمان حاصل ہے۔

البتہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ایک وقت میں نہ ہوتے تو اس بات کی گنجائش تھی کہ کوئی کہہ سکتا کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے متبع نہیں تھے۔

بے شک دونوں امام تھے دونوں خدا کے نبی تھے۔ دونوں واجب الاتباع تھے۔ مگر حضرت موسیٰ تشریعی نبی تھے اور حضرت ہارون غیر تشریعی نبی تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے درمیان ہوتے تو حضرت موسیٰ ہی امام ہوتے۔ اور جب حضرت موسیٰ کہیں تشریف لیجاتے تو حضرت ہارون ان کی غیبت میں کار نبوت بجالاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت رسول تھے۔ حضرت ہارون پر کیا موقوف

ان کی عمر بھی اسی برس ہے ... سانحہ انتقال ... جب ... ساتھ اللہ تعالیٰ نے انتقال کی ... ۱۲۰ ... ۱۲ ... ہارون عمر کو ... بات نے ... موسیٰ نہایت ... وہ گمراہ ... تھے ... ہوئے ... تو تم میری پیروی ... ۱۲

ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ سب کے سب توریت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ قرآن کریم کی شہادت مسیح ابن مریم کی شہادت انجیل کی شہادت کتب انبیاء کی شہادت تواریخ یہود و نصاریٰ کی شہادت تمام مفسرین کی شہادت۔ حضرت مسیح موعود کی شہادت علمائے سنی و شیعہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہے۔ البتہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے ان شہادتوں پر کان نہیں دھرتے۔ اور نیا مسلک دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کہ کوئی نبی حضرت موسیٰ کی شریعت کا تابع نہیں ہوا بلکہ ہر نبی خود صاحب شریعت تھا۔ لہٰذا ہم چند مفسرین کی شہادت اور اسکے بعد توریت کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے۔ انا انزلنا التورىة فیها هدی و نور یحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادوا والربانیون تحقیق ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت اور نور ہے۔ وہ پیغمبر جو خدا کے مطیع تھے۔ اس کے ساتھ حکم کرتے تھے۔ ان لوگوں کیلئے جو یہودی ہوئے اور حکم کرتے تھے خدا کے لوگ اور عالم۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں وہ مثل دیگر علمائے یہود توریت کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرتے رہتے تھے۔ ان کی کوئی جداگانہ شریعت نہیں تھی۔

(۱) معالم التنزیل میں امام بغوی لکھتے ہیں۔ اراد بهم النبیین الذین بعثوا من بعد موسیٰ یحکموا بما فی التورىة وقد اسلموا الحکم التورىة وحکموا بها۔

یعنی اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ نے ان انبیاء سے مراد لی ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے بعد ہوئے ہیں وہ توریت کے احکام کی فرماں برداری کرتے تھے اور اس کے مطابق حکم لگایا کرتے تھے۔

(۲) تفسیر درمنثور میں سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ عن مقاتل فی قولہ تعالیٰ انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدیً ونور یعنی ھدیً من الضلالۃ ونور من العمی یحکم بہا النبیّون یحکمون بما فی التوریٰۃ من لدن موسیٰ الیٰ عیسیٰ علیہما السّلام مقاتل سے ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ روایت کرتے ہیں کہ انا انزلنا التوریٰۃ فیہا ھدیً ونور میں ہدایت تو گمراہی سے بچنے کے لئے ہے اور اندھاپن سے بچنے کے لئے نور ہے۔ توریت کے ساتھ وہ انبیاء حکم لگاتے رہے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہوئے ہیں۔

(۳) تفسیر مدارک میں ہے۔ یحکم بہا النبیون ای انقادوالحکم اللّٰہ فی التوراۃ۔ یعنی انبیاء اس حکم آلہی کے جو توریت میں ہے فرماں بردار اور مطیع اور منقاد تھے۔

(۴) تفسیر کبیر میں ہے یحکم بہا النبیون یرید النبیّین الذین کانوا بعد موسیٰ وذٰلک ان اللّٰہ تعالیٰ بعث فی بنی اسرائیل الوفا من الانبیاء لیس معہم الکتب وانما بعثہم باقامۃ التوریٰۃ حتی یحدوا حدودھا ویقوموا بفرائضھا ویحلوا احلالہا ویحرموا حرامہا فان قیل کل نبی لابد ان یکون مسلماً فما الفائدۃ فی قولہ تعالیٰ النبیون الذین اسلموا۔ ای انقادوالحکم التوریٰۃ فان من الانبیاء من لم یکن شریعتہ شریعۃ التوریٰۃ والذین کانوا منقاداً لحکم التوریٰۃ ھم الذین کانوا من مبعث موسیٰ الیٰ مبعث عیسیٰ۔

یحکم بہا النبیون میں خداتعالےٰ نے ان انبیاء سے مراد لی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث بالنبوۃ ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ہزارہا نبی ایسے مبعوث فرمائے تھے کہ جنکے پاس کتاب نہیں تھی۔ ان کو محض اقامۃ التورات کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ وہ

توراۃ ہی کی حدود کو جاری کرتے تھے اور اس کے فرائض کو قایم رکھتے اور اسی کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ جبکہ ہر نبی مسلم ہوتا ہے تو النبیون الذین اسلموا کے فرمانے میں کیا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلموا سے یہ مراد ہے کہ وہ توراۃ کے حکم کے فرمانبردار تھے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے کہ جنکی شریعت شریعت توراۃ ہی تھی۔ اور وہ توراۃ کے حکم کے ماننے والے تھے۔ اور وہ انبیاء وہ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک منجانب اللہ مبعوث ہوئے تھے۔

(۶) تفسیر ابی السعود۔ انا انزلنا التورٰیۃ کلام مستانف سیق لبیان علو شان التورٰیۃ ووجوب مراعاۃ احکامہا وانہا لم یتزل مرعیۃ بین الانبیاء ویقتدی بہم کابرا عن کابر مقبولۃ لکل احد من الحکام والمتحاکمین (یحکم بہا النبیون) ای انبیاء بنی اسرائیل و قیل موسیٰ ومن بعدہ الانبیاء ای یحکمون باحکامہا ویحملون الناس علیہا ۃ۔ انا انزلنا التورٰیۃ کا جملہ مستانفہ ہے جو توراۃ کے علو شان کے لئے اور اس کے احکام مرعی رکھنے کے واسطے بیان ہوا ہے۔ اور توراۃ ہمیشہ انبیاء کے درمیان مرعی رہی ہے۔ اور لوگ نسلاً بعد نسل ان کی اقتدا کرتے رہے ہیں۔ حکام اور متخاصمین میں سے ہر ایک کے نزدیک مقبول رہی ہے۔ اور (یحکم بہا النبیون) سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے انبیاء مراد ہیں۔ اور وہ توراۃ کے احکام کے ساتھ حکم لگایا کرتے تھے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنیکے لئے برانگیختہ کرتے تھے۔

(۷) تفسیر ابن عباس میں ہے۔ انا انزلنا التورٰیۃ علی موسیٰ فیہا ھدًی من الضلالۃ ونور بیان الرجم یحکم بالتورٰیۃ النبیون

الذین اسلموا من لدن موسیٰ الیٰ علیٰی دبینھما الف نبی من
الذین اسلموا اللذین ھادوا- ہم نے توراۃ کو موسیٰ پر نازل کیا جس میں
گمراہی سے ہدایت اور رجم کے بیان کا نور ہے- توراۃ کے ساتھ وہ
انبیاء جو اسلام لائے تھے- حضرت موسیٰ سے لیکر حضرت علیٰی تک اور
ان دونوں کے درمیان ایک ہزار نبی گذرے ہیں- ان لوگوں کے لئے
جو یہودی ہوئے تھے- توراۃ کے مطابق حکم لگایا کرتے تھے-

(۸) تفسیر حسینی میں ہے- انا انزلنا التورٰۃ- بدرستیکہ ما فرد
فرستادیم توراۃ را دفیہا ھدی- در وراہ نمود نی است بحق- ونور
وروشنی کہ ظلمات جہالت را رفع کنند یحکم بہا النبیون حکم کردند بتوراۃ
پیغمبراں بنی اسرائیل الذین اسلموا- آنانکہ انقیاد کردند حکم خدا تعالیٰ را-
للذین ھادوا- برائے آنانکہ متدین بودند بدین یہود- والربانیون وحکم
کردند علمائے ربانی- والاحبار- وزاہدان ایشان-

اہل تشیع کی تفسیر مجمع البیان الطبرسی میں ہے- یرید بالنبیین الانبیاء
الذین کانوا بعد موسیٰ وذلک اذکان فی بنی اسرائیل الوف من الانبیاء
بعثہم اللہ لاقامۃ التورٰۃ یحدون حدودھا ویحلون حلالھا و
یحرمون حرامھا عن ابن عباس فمعنا یقضی بھا النبیون الذین اسلموا
من وقت موسیٰ الیٰ وقت عیسیٰ-

اب مزید ثبوت کے لئے بیبل کی شہادتیں بھی سن لو-

(۱) یوشع کی کتاب میں ہے- کما امرالرب موسیٰ عبدہ ھکذا امر
موسیٰ یشوع وھکذا فعل یشوع- جیساکہ خداوند نے اپنے بندے موسیٰ
سے کہا- ویسا ہی موسیٰ نے یشوع سے کہا- اور یشوع نے بھی ویسا ہی کیا-
با ۱۱ ۱۵-

(۲) حضرت یوشع بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں:- انما احرصوا جداً

ان تعلموا الوصیتہ والشریعۃ التی امرکم بہا موسیٰ۔ کوشش سے ہوشیاری کے ساتھ اس فرمان اور شرع پر جس کی بابت موسیٰ نے تم کو حکم دیا تھا عمل کرو۔ تب[16]۔

(۳) حضرت داؤد اپنے فرزند ارجمند سلیمان علیہ السلام کو وصیت فرماتے ہیں:۔

دعا سلیمان ابنہٖ واوصاہ حینئذٍ تفلح اذ تحفظت العمل و الفرایض والاحکام التی امر بہا الرب موسیٰ لاجل اسرائیل۔ داؤد نے اپنے بیٹے سلیمان کو بلا کر وصیت کی۔ تب تو اقبال مند ہوگا جبکہ تو ان سنتوں اور شریعتوں پر جو خدا نے موسے کو اسرائیل کے لئے فرمایئں۔ عمل کرنے میں چالاک ہوگا۔ تواریخ۔ تب[۲۲]۔

حضرت داؤد نے باوجود صاحب کتاب نبی ہونے کے حضرت سلیمان کو یہ وصیت نہیں کی کہ میری شریعت پر عمل کرنا۔ کیوں کہ زبور میں شریعت کے احکام نہیں ہیں۔ زبور تو ایک درد آمیز دعاؤں کا مجموعہ ہے۔

(۴) عہد عتیق کے آخری نبی ملاکی کی معرفت خدا فرماتا ہے اذکروا شریعۃ موسیٰ عبدی التی امرتہ بہا فی حوریب علی کل بنی اسرائیل مع الفرایض والاحکام۔ تم میرے بندے موسیٰ کی شریعت کو یاد رکھو۔ جسے میں نے سارے بنی اسرائیل کے لئے حورب میں اپنے قوانین اور احکام سمیت فرمایا۔

خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ ملاکی یا کسی دوسرے نبی کی شریعت کو یاد رکھو جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کے بعد تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی شریعت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ان کی کوئی جداگانہ شریعت نہیں تھی

اب انجیل کی شہادت کو بھی سن لو۔

(۱) یوحنا کی انجیل میں ہے۔ شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی۔ مگر فضل اور

سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہونچی۔ پ ۱۷۔

(۲) حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ کیا موسیٰ نے تمہیں شریعت نہیں دی۔ تو بھی تم میں سے کوئی شریعت پر عمل نہیں کرتا۔ انجیل یوحنا۔ پ ۹۔

حضرت عیسیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم کو نبیوں کی معرفت شریعت ملی ہے۔ آپ نے شریعت کو حضرت موسیٰ ہی کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کیونکہ دوسرے انبیا شریعت نہیں لائے۔

(۳) موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اعمال۔ پ ۱۵ ۵۔

یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا مقولہ ہے۔ یہ نہیں کہا کہ نبیوں کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر حضرت موسیٰ کے بعد کوئی نبی تشریعی ہوتا تو ضرور حواری اس کی شریعت کا تذکرہ کرتے۔

(۴) اعمال باب ۱۵۔ ۲۰۔ میں ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ سے ہر شہر میں موسیٰ کی توریت کی منادی کرنے والے چلے آئے ہیں۔ اور ہر سبت کو عبادت خانوں میں سنائی جاتی ہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدیً ونور یحکم بھا النبیون کی کیا ہی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد توریت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے۔ اور ان میں کوئی صاحب شریعت نہیں تھا۔

پس ثابت ہو گیا غیر تشریعی نبی تشریعی نبی کی کتاب اور اسکے احکام کا متبع ہوتا ہے اور سابق نبی یا سابقہ شریعت کے اتباع کرنے سے اس کی نبوت میں کچھ فرق نہیں آتا حضرت مسیح موعود حضرت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی مہر کے نیچے۔ اور احکام قرآن کے تابع غیر تشریعی نبی ہیں۔ علیہ الف الف التحیۃ والثناء فثبت المدعا بعون اللہ وتوفیق۔

الراجی الی رحمۃ اللہ المتعال

اصغر عباد اللہ عبد اللہ ابن محمد حجاب